اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ۔ عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

غلام قادیانی

نمبر ۱۳۵ رجسٹرڈ ایل

تار کا پتہ الفضل قادیان

THE ALFAZL
QADIAN

الفضل

اخبار ہفتہ میں دوبار

فی پرچہ ایک آنہ

قادیان

ایڈیٹر غلام نبی

قیمت سالانہ پیشگی ۶ — ششماہی للعہ — سہ ماہی عار

جماعت احمدیہ کا مسلمہ آرگن جسے (سنہ ۱۹۱۳ء میں) حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ نے اپنی ادارت میں جاری فرمایا

نمبر ۸۱ | مورخہ ۲۹ جنوری سنہ ۱۹۲۶ء | یوم جمعہ | مطابق ۱۴ رجب المرجب سنہ ۱۳۴۴ھ | جلد ۱۳

مدینۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی صحت خدا کے فضل و کرم سے اچھی ہے۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بھی خیر و عافیت ہے ؛

۲۵ جنوری سنہ ۱۹۲۶ء شیخ محمود احمد صاحب مبلغ مصر قادیان پہنچ گئے۔ قصبہ سے باہر بہت سے اصحاب نے ان کا استقبال کیا۔

جناب ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کا تبادلہ شملہ سے لائل پور ہو گیا ہے۔ وہاں تشریف لے جاتے ہوئے آپ قادیان بھی تشریف لائے۔ اور ۲۵ تاریخ آپ نے خدا کے فضل سے ایک نہایت خطرناک کیس کا کامیابی کے ساتھ اپریشن کیا۔ کیس یہ تھا کہ ایک عورت کے پیٹ میں بچہ مر کر الٹا ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے عورت کی جان کا خطرہ تھا ؛

حضرت مولوی شیر علی صاحب کا چھوٹا بچہ بخار حمٰی ٹائیفائڈ سے بیمار ہے۔ احباب اس کی صحت کے لئے دعا فرمائیں ؛

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

چند ضروری باتیں

قلم فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

سنہ ۱۹۱۴ء میں جب میری شادی امۃ الحی مرحومہ سے ہوئی تھی اسی وقت مکرمی ابوبکر صاحب جمال یوسف تاجر جدہ نے مجھے لکھا تھا کہ جب سے میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ میری خواہش تھی کہ میں اس کی شادی آپ سے کروں۔ لیکن اس خیال سے کہ شاید آپ کو نکاح ثانی پسند نہ ہو۔ خاموش تھا۔ لیکن اب جبکہ آپ نے دوسری شادی کر لی ہے۔ میں اس خواہش کا اظہار کر دیتا ہوں۔ میں نے انہیں تو کوئی جواب نہ دیا لیکن چونکہ میرا ہمیشہ سے ہی یہ خیال تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خواہش کو کہ مسلمانوں کی دوسری زبان عربی ہونی چاہیئے۔ پورا کرنے کا یہ بہترین طریق ہے کہ عربی بولنے والی عورتوں سے شادی کی جائے۔ تا بچوں میں عربی کا چرچا ہو۔ اس لئے میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا۔ کہ میں اس جگہ ممکن ہوا۔ تو شادی کر دوں گا۔ اور اس کا اظہار بھی کرتا رہا۔ جس کی اطلاع انہیں بھی ملتی رہی۔ سنہ ۱۹۲۴ء میں سیٹھ صاحب قادیان تشریف لائے۔ [illegible] میرے حالات اسوقت شادی کے متقاضی نہ تھے۔ مگر چونکہ ایک رنگ کا وعدہ ہو چکا تھا۔ میں نے حافظ روشن علی صاحب کی معرفت اس مسئلہ کو طے کرنا چاہا۔ معاملہ ایک حد تک طے ہو چکا تھا۔ کہ امۃ الحی صاحبہ کی طبیعت یکدم زیادہ بگڑ گئی۔ اور وہ چار دن میں وہ فوت ہو گئیں۔ اس سے بات درمیان میں رہ گئی۔ اور چونکہ جماعت کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے یہ ضروری معلوم ہوا۔ کہ ایک ایسی تعلیم یافتہ عورت سے شادی کروں۔ جو تھوڑی سی تربیت سے عورتوں کی تعلیم میں حصہ لے سکے۔ اس لئے اس پہلے ارادہ کو پورا کرنا میرے لئے ناممکن ہو گیا۔ اور سیٹھ صاحب کی لڑکی کے لئے

میں نے اور جگہ تجویز کرنی شروع کی۔ لیکن اس دوران میں میں نے بعض خوابیں دیکھیں۔ جن سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اس جگہ شادی ہونی مقدر ہے۔ مگر خوابیں چونکہ تعبیر طلب ہوتی ہیں۔ میں نے خیال نہ کیا۔ لیکن جلسہ کے قریب جبکہ پہلے خیال کو میں قطعی طور پر دل سے نکال چکا تھا۔ میں نے پھر اسی قسم کی رؤیا دیکھی۔ اور ادھر والدہ صاحبہ حضرت ام المومنین نے جو ان دنوں شملہ میں تھیں۔ اسی قسم کی رؤیا دیکھی۔ جس سے یہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ شادی مقدر ہے۔ لیکن تب بھی میں نے کوئی زیادہ توجہ نہ کی۔ لیکن جلسہ کے موقعہ پر اور اسکے بعد چند اور لوگوں نے جن کو کچھ بھی اس امر کی واقفیت نہ تھی۔ ایسی رؤیا سنائیں۔ جن سے اس امر کا اظہار ہوتا تھا اس لئے میں نے استخارہ کر کے دوستوں سے مشورہ کیا۔ اور اکثر دوستوں نے یہی مشورہ دیا۔ کہ مجھے پچھلے وعدوں اور خوابوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ شادی بھی کر لینی چاہیئے۔ چونکہ خوابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قضائے الٰہی یہی ہے۔ اور میں خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔ کہ رضائے الٰہی بھی یہی ہو۔ اس لئے میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ کہ میں اس جگہ نکاح کر لوں۔ سیٹھ صاحب مذکور نہایت مخلص آدمی ہیں۔ اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص کو دیکھ کر ان کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے یہ سامان کیا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ اس رشتہ میں کوئی ایسا فائدہ ہو جو اسوقت مجھے نظر نہیں آتا۔ اور آئندہ ظاہر ہو۔ واللہ اعلم سردست تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سیٹھ صاحب کے اخلاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے متواتر اور کئی آدمیوں کو رؤیا کے ذریعہ سے اس امر کے قضائے الٰہی ہونے کا علم دیا ہے۔ سیٹھ صاحب کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یکمشت جو بڑی سے بڑی رقم سلسلہ کو ملی ہے۔ وہ انہی کی ہے۔ انہوں نے تیرہ ہزار روپیہ ۱۹۱۸ء میں سلسلہ کی مدد کے لئے دیا تھا۔ گو سلسلہ کی بے نظیر خدمت میں سیٹھ عبداللہ بھائی صاحب کا مرتبہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔ ایک وقت میں بڑی سے بڑی رقم تو ان کی طرف سے سلسلہ کو تیرہ ہزار کی ملی ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں۔ کہ متواتر سلسلہ کی خدمت میں ان کا نمبر سب سے بڑھا ہوا ہے۔ ان کی مالی حالت میں جانتا ہوں۔ ایسی اعلیٰ نہیں۔ جیسی کہ بعض لوگ ان کی امداد کو دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں لیکن ان کو خدا تعالیٰ نے نہایت پاکیزہ دل دیا ہے۔ اور مجھے انکی ذات پر خصوصاً اس لئے فخر ہے کہ ان کے سلسلہ میں داخل ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے اخلاص کے متعلق پہلے سے اطلاع دی تھی۔ حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہ تھا۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ سلسلہ کے درد میں اسقدر گداز ہیں کہ مجھے ان کی قربانی کو دیکھ کر رشک آتا ہے۔ اور میں انہیں خدا کی نعمتوں میں سے ایک نعمت سمجھتا ہوں۔ کاش! کہ ہماری جماعت کے دوسرے دوست اور خصوصاً تاجر پیشہ اصحاب ان کے نمونے پر چلیں۔ اور ان کے رنگ میں اخلاص دکھائیں۔ تو سلسلہ کی مالی تنگیاں بھی کافور ہو جائیں۔ اور خدا کی برکات بھی جو قربانیوں پر نازل ہوتی ہیں۔ خاص طور پر نازل ہوں) غرض کہ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے اخلاص کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے ان کی خواہش کو پورا کرانے کے لئے خوابوں کا ایسا سلسلہ شروع کر دیا۔ کہ جس سے میری توجہ مجبوراً پھر اس امر کی طرف پھر گئی۔

جن دوستوں سے میں نے مشورہ کیا ہے۔ انہیں سے بعض نے کہا ہے۔ کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ اعتراض کریں کہ اس رشتہ کی کیا ضرورت تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اعتراض یا دشمن کر سکتا ہے یا دوست۔ دشمن کے اعتراض کی تو کچھ پرواہ ہی نہیں۔ وہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض نہیں کرتا۔ باقی رہے دوست۔ سو دوستوں کو میں ایسا نہیں سمجھتا کہ وہ اس کام پر جو رؤیا کی بناء پر کیا جاتا ہے اعتراض کریں۔ چار شادیوں تک تو شریعت نے خود اجازت دی ہے۔ حضرت عمرؓ نے تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک رؤیا کی بناء پر سونے کے کڑے ایک صحابی کو پہنائے تھے۔ حالانکہ سونے کے کڑے پہننا مرد کے لئے منع ہے۔ اور مجھے خدا تعالیٰ نے بچپن سے ہی ایسی زندگی میں سے گذارا ہے کہ اعتراضوں کی جب وہ بیہودہ ہوں۔ پرواہ ہی نہیں۔ میرا جسم اعتراضوں کی کثرت سے اعتراضوں کی برداشت کے لئے اس قدر مضبوط ہو چکا ہے کہ اب اسپر کوئی اعتراض اثر نہیں کرتا۔ نہ لوگوں کی رضا سے میں خوش ہوتا ہوں۔ نہ ان کی ناراضگی سے ناراض مجھے تو صرف خدا تعالیٰ کی رضا بس ہے۔ اور اس کی رضا کو پورا کرنے کے لئے دشمن تو الگ رہے۔ اگر اپنے دوستوں سے بھی مجھے الگ ہونا پڑے تو مجھے ایک ذرہ بھر بھی ملال نہ ہو۔

میری چوتھی بیوی

میں نے پچھلے سال جو چوتھا نکاح کیا تھا اس کے متعلق بعض دوستوں نے خطوں سے اور بعض نے زبانی اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ شادی سے جس فائدہ کی امید کی جاتی تھی۔ وہ ابتک حاصل نہیں ہوا۔ اس کے متعلق بھی میں دوستوں کی غلط فہمی کو دور کرنا چاہتا ہوں۔ دوستوں کو شاید معلوم ہو گا کہ میں نے مدرسہ خواتین کھولا ہوا ہے جس میں عربی کی اعلیٰ تعلیم اور انگریزی اور تاریخ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اسمیں میری چوتھی بیوی بھی شامل ہیں۔ اور اس مدرسہ میں قریباً تین گھنٹے پڑھائی ہوتی ہے تین چار گھنٹے سبق یاد کرنے میں لگتے ہیں۔ پھر گھر کے کام کاج بھی ہوتے ہیں اسلئے ابھی انکو زیادہ موقع کام کا نہیں مل سکتا۔ ہاں وہ لجنہ اماء اللہ کی سیکرٹری ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ چاہے گا تو وقت پر دوسرے کاموں میں حصہ لے سکینگی۔ اور عورتوں کی تعلیم میں کوئی مفید کام کر سکینگی۔ اس سال کے جلسۂ خواتین کا کام بھی بمعیت اہلیہ صاحبہ مکرمی میر محمد اسحٰق صاحب ان کے سپرد تھا۔ اور جلسہ کی رپورٹ بھی انہوں نے بغرض اشاعت لکھی ہے۔ جو الفضل میں شائع ہو جائیگی۔

عزیزم خلیل احمد سلمہ اللہ کی صحت

میرا عزیز بچہ اور میری چوتھی بیوی کی نشانی خلیل احمد سلمہ اللہ ان دنوں بہت بیمار ہے۔ اور روز بروز کمزور ہوتا جاتا ہے۔ چودہ ماہ کا ہو چکا ہے۔ ابھی دانت نہیں نکلے۔ اور نہ اسکی طاقت اس میں معلوم ہوتی ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق بتایا ہے کہ اس میں اعلیٰ روحانی طاقتیں پیدا کی گئی ہیں۔ تمام احباب سے چاہتا ہوں کہ اسکی صحت کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اسے زندگی عطا فرمائے۔ تا اس کا وجود سلسلہ کے لئے مبارک ہو۔

بعض اہم تغیرات کے لئے دعا

اسوقت پنجاب کے بعض علاقوں میں بھی اور ہندوستان کے بعض حصوں میں بھی اور ہندوستان کے باہر بھی بعض ایسے سامان پیدا ہو رہے ہیں۔ کہ اگر وہ تکمیل کو پہنچ جائیں تو سلسلہ کے لئے نہایت مفید ہو سکتے ہیں۔ اور سلسلہ کی ترقی کے لئے ایک وسیع دروازہ کھل جاتا ہے۔ ان کا اظہار قبل از وقت مصلحت کے خلاف ہے۔ کیونکہ دشمن کو موقع مل جاتا ہے کہ وہ رخنہ اندازی کرے۔ اور بعض امور کا اظہار سیاست کے لحاظ سے بھی درست نہیں۔ تمام احباب کو چاہیئے کہ ان دنوں خاص طور پر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان امور کو جو اسوقت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت پیدا ہو رہی ہیں۔ اور سلسلہ کے لئے نہایت مفید ہو سکتی ہیں۔ تکمیل تک پہنچائے۔ اور سلسلہ کی عظمت کے قیام اور اشاعت کے لئے غیر معمولی سامان پیدا کر دے اور ہماری کمزوریوں کو روک نہ بننے دے۔ اور چاہیئے کہ جماعت کے مخلص احباب دعا اور تضرع اور انکساری کو اپنا شعار بنائیں اور نرمی اور محبت اور خیر خواہی کو بطور عادت کے اختیار کریں کہ یہ امور فیوض الٰہی کو جذب کرتے ہیں اور رحمت الٰہی کو کھینچتے ہیں۔

تصانیف

میں نے جلسہ پر اعلان کیا تھا کہ قرآن کریم کا ترجمہ میں نے شروع کیا ہوا ہے جلسہ کے بعد پھر اس کام کو جاری کر دیا گیا ہے۔ اور سورہ آل عمران شروع ہے۔ باوجود جلسہ کے بعد طبیعت کے کمزور ہو جانے کے میں نے اس کام کو ترک نہیں کیا۔ اور ارادہ ہے کہ استقلال سے اس کام کو جاری رکھا جائے۔ ترجمہ قرآن کریم کے علاوہ ایک نہایت اہم تصنیف جو امید ہے کہ اسلام کو بعض اندرونی حملوں سے بچانے کے لئے نہایت مفید ہو گی میں نے شروع کی ہے۔ دن میں تھوڑا سا وقت بچا کر اسکو بھی باقاعدہ جاری رکھنے کا ارادہ ہے۔ احباب کو توجہ دلاتا ہوں کہ ترجمہ قرآن کریم کی تکمیل اور دوسری تصانیف کے اختتام تک پہنچنے کیلئے دعا کریں تا درمیانی روکیں اور صحت کی خرابی کام میں روکاوٹ نہ پیدا کریں۔

ایڈیٹر صاحب فاروق اور ایڈیٹر صاحب [illegible]

مجھے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر نہایت افسوس سے اس امر کا اظہار کرنا پڑا تھا کہ ایڈیٹر صاحب فاروق نے مجلس شوریٰ کی رپورٹ کا ایک ایسا حصہ شائع کیا ہے جو قابل افسوس ہے۔ اور ایک بھائی کی عزت پر حملہ ہے۔ ایڈیٹر صاحب فاروق نے اسکے دوسرے ہی دن حلفیہ طور پر اس امر کا اظہار کیا تھا کہ انکی ہرگز یہ نیت نہ تھی کہ اپنے بھائی پر حملہ کریں۔ اور میں انکی قسم پر یقین کرتا ہوں۔ اگر وہ بلا قسم بھی یہ بات بیان کرتے تو میں اسے تسلیم کرتا۔ اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ قسم کے بغیر ہی بیان کرتے کیونکہ کسی اشد ضرورت کے بغیر قسم پسندیدہ نہیں ہوتی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں۔ قسم کا موجب ان کا یہ جوش قلبی ہے کہ کسی طرح وہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الفضل
یوم جمعہ - قادیان دارالامان - ۲۹ جنوری ۱۹۲۶ء

مسلمان خواتین کے حقوق

مسلمانوں میں آج کل دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایک تو وہ جو اپنی جہالت اور ایسی رسوم کی پابندی کی وجہ سے جن کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ چاہتے ہیں۔ کہ کوئی ایسی بات زیر عمل نہ لائی جائے۔ جو خواہ کس قدر ضروری اور مفید ہو۔ مگر اس سے قبل اس شکل میں عمل میں نہ لائی گئی ہو اور دوسرے وہ ہیں۔ جو بے جا آزادی کے دلدادہ بن کر یہ چاہتے ہیں۔ کہ اسلام نے جو حدود مقرر کئے ہیں۔ ان کو بھی توڑ دیں۔ اور غیر مسلم اقوام کی تقلید میں وہ سب کچھ کریں جو وہ کر رہی ہیں ؛

اگرچہ اس دوسری قسم کے لوگوں کا مسلمانوں میں پیدا ہونا اردگرد کے اثرات کا نتیجہ ہے۔ اور خاص کر یورپ کی فیشن پرستی کا۔ لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ اسلامی حدود کو توڑ کر نکل جانیوالے لوگوں کو اس قدر خودسر اور ضدی بنا دینے میں ان لوگوں کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ جو اپنی نادانی سے انہیں بے جا پابندیوں اور ناروا گرفتاریوں میں جکڑے رکھنا چاہتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اب بھی انہی رسوم اور عادات کے پابند رہیں جو ایسے زمانہ میں انہوں نے اپنے اوپر عائد کر لیں۔ جبکہ زمانہ کی تہذیب اور تمدن اس حد کو نہیں پہنچا تھا۔ جس پر اب پہنچا ہے۔ ان کا خیال ہے۔ اور خیال ہی نہیں۔ بلکہ سرگرم کوشش ہے کہ مسلمان زمانہ حال کے ان اسباب اور ذرائع سے قطعاً فائدہ نہ اٹھائیں۔ جن کی اسلام میں ممانعت نہیں بلکہ جواز ثابت ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کا وہ طبقہ جو ایک طرف تو زمانہ حال کی اس تہذیب اور معاشرت سے متاثر ہو چکا ہے۔ جو یورپین اقوام میں اور ان کی تقلید کرتے ہوئے دوسری ایشیائی قوموں میں بھی پائی جاتی ہے اور دوسری طرف ان لوگوں کو جو اپنے آپ کو اسلام کے حامل اور اسلامی احکام کے پابند قرار دیتے ہیں۔ ہر اس بات کا مخالف پاتا ہے۔ جو مسلمانوں کی ترقی اور روشن خیالی کا باعث بن سکتی ہے۔ اس لئے وہ اسلامی حدود کی کوئی پروا نہ کرتا ہوا ان کو توڑ رہا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے۔ جو امور اسلامی احکام کے اندر سمجھے جاتے ہیں۔ انہیں بھی ہمارے علماء اور دینی رہنما جب کفر قرار دیتے ہیں۔ تو پھر کیوں نہ غیر اقوام کی پوری پوری تقلید کریں۔ اور وہی روش اختیار کریں۔ جو ان اقوام نے کر رکھی ہے ؛

اس نہایت ہی افسوسناک حالت کا عملی نظارہ پچھلے دنوں علی گڑھ میں رونما ہوا۔ جہاں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس میں مسلم مستورات کو پردہ میں بیٹھ کر بھی جلسہ کی کارروائی دیکھنے اور تقریریں سننے کی اجازت نہ دی گئی۔ اور مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی نے جو ریاست حیدرآباد کے امور مذہبی کے ناظم اعلیٰ ہیں بحیثیت سکرٹری کانفرنس جلسہ گاہ کے اس حصہ کی چکیں اتروا دیں۔ جو عورتوں کے بیٹھنے کے لئے مقرر ہو چکا تھا۔ حالانکہ اخبارات میں پہلے سے اعلان کیا گیا تھا کہ مستورات کے لئے کانفرنس کی کارروائی دیکھنے کا انتظام ہو گا۔ اور اس اعلان کی وجہ سے دور دور سے معزز خواتین تشریف لائی تھیں۔ اس وقت مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کی بہت کچھ منت سماجت بھی کی گئی۔ مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان مستورات نے جو مقرر شدہ جگہ میں آکر بیٹھ چکی تھیں۔ غم و غصہ کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ اور ان میں سے ایک خاتون اس سلوک کے خلاف جو خواتین سے کیا گیا۔ تقریر کرنے لگ گئیں۔ اور آخر سٹیج پر پردوں میں آکر انہوں نے اپنی تقریر جاری رکھی۔ اگرچہ تقریر کرنے والی خاتون شرعی پردہ کی پابندی سے پہلے ہی آزاد تھیں۔ لیکن اگر مستورات کو پردہ میں بیٹھ کر تقریریں سننے کا موقعہ دیا جاتا۔ تو وہ بھی پردہ میں ہی رہتیں اور سٹیج پر آکر اس طرح تقریر نہ کرتیں

اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب نے مستورات کے پردہ میں بیٹھ کر کانفرنس کی کارروائی دیکھنے کی مخالفت کر کے کسی اسلامی شعار کی پابندی کرائی ہے۔ انہوں نے الٹا اسلامی پردہ کے خلاف مردوں اور عورتوں کو افسوسناک طرز عمل اختیار کرنے پر مجبور کیا ؛

ہم نہیں سمجھتے۔ مولوی صاحب موصوف کس شرعی دلیل اور حجت کی بناء پر اس امر کے خلاف ہیں کہ مستورات پردہ میں بیٹھ کر مردوں کی تقریریں نہیں سن سکتیں۔ اسلام میں کہیں اس کی ممانعت نہیں۔ بلکہ بے شمار اس قسم کے واقعات موجود ہیں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں آپ کی مجلسوں میں عورتوں نے آکر اپنے حالات سنائے۔ امہات المومنین نے بارہا مردوں سے پردہ میں بیٹھکر کلام کیا۔ مسائل بتائے گفتگوئیں کیں۔ اور خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ مشہور واقعہ ہے۔ کہ آپ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حبشیوں کا کھیل دکھایا اور حضرت عائشہ رض نے کئی دفعہ مردوں کو مخاطب کر کے تقریریں فرمائیں۔ پھر کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو قطعی اجازت نہیں دی کہ وہ مردوں کی آواز سن سکیں ؛

اس زمانہ میں جبکہ مستورات مردانہ جلسوں کی کارروائیوں کو دیکھکر اور مردوں کی تقریریں سنکر بہت کچھ فوائد حاصل کر سکتی ہیں۔ دنیا کے حالات اور واقعات سے واقف ہو سکتی ہیں۔ اپنی قوم کی حالت اور اس کی ضروریات سے آگاہ ہو سکتی ہیں۔ اور قومی ترقی میں جس حد تک وہ امداد دے سکتی ہیں۔ وہ معلوم کر سکتی ہیں۔ انہیں پردہ میں بیٹھکر تقریریں سننے سے روکنا نہ صرف ان پر بہت بڑا ظلم ہے۔ بلکہ اسلام کے منورہ چہرہ پر بھی سخت دھبہ لگانا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا اور ہو گیا۔ ہو رہا ہے۔ کہ اسلامی اور شرعی حدود کی کوئی پروا نہ ر[illegible]

مسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ وہ مستورات کو اس قدر و منزلت سے محروم نہ رکھیں۔ جو اسلام نے انہیں دی ہے اور جو ایسی ہے کہ دنیا کے کسی مذہب نے ایسی نہیں دی۔ کیونکہ قومی ترقی اور سربلندی کے لئے مستورات کو بھی بلند خیال بنانا اور ضروریات قومی و مذہبی سے باخبر رکھنا نہایت ضروری ہے ؛

خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے جماعت احمدیہ مستورات کے حقوق اور ان کی جائز آزادی کا ہر طرح خیال رکھتی اور کوشش کرتی ہے کہ مستورات اپنے حقوق سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اسی غرض کے لئے امام جماعت احمدیہ نے مرکز سلسلہ میں لجنہ اماءاللہ کے نام سے مستورات کی ایک انجمن مقرر فرمائی ہے۔ جس کے ماتحت بیرونجات میں بھی انجمنیں بن رہی ہیں۔ اور ہمارے جلسوں میں نہ صرف عورتوں کو پردہ میں بیٹھکر تقریریں سننے کی اجازت ہوتی ہے۔ بلکہ لجنہ اماءاللہ کی طرف سے کئی ایک جلسے اس قسم کے ہو چکے ہیں۔ جن میں مستورات نے مردوں کو مدعو کیا۔ نظم خوانی اور تلاوت قرآن کریم کی اور ایڈریس پڑھے۔ ایسے موقعہ پر مردوں نے بھی تقریریں کیں۔ اور عورتوں سے خطاب کیا ؛

غرض ہماری جماعت حتی المقدور اس امر کی کوشش کر رہی ہے کہ مستورات کو ان کے جائز اور ضروری حقوق دے۔ اور انہیں اس قابل بنائے۔ کہ وہ بھی اسلام کے لئے نہایت مفید اور کارآمد بن سکیں۔ دیگر مسلمانوں کو بھی اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ تا وہ خطرناک نتائج پیدا نہ ہوں۔ جو بے جا اور ناروا پابندیوں کا ہمیشہ نتیجہ ہوا کرتے ہیں ؛

مسئلہ ختم نبوت اور رسالہ بلاغ

ناظرین الفضل کو معلوم ہے۔ کہ جناب ایڈیٹر صاحب رسالہ بلاغ امرتسر نے ختم نبوت پر مضمون لکھنے کے لئے ایک اعلان کیا تھا۔ اور ہر خیال کے مسلمانوں کو دعوت دی تھی کہ اس مسئلہ کے متعلق

لیئے خیالات کا اظہار کریں۔ سب سے اعلیٰ مضمون پر ایک اشرفی انعام دیا جائے گا۔

اس کے لئے جو وقت مقرر کیا گیا تھا۔ اس میں سوائے ہماری جماعت کے چند اصحاب کے کسی نے مضمون نہ بھیجا۔ ایڈیٹر صاحب موصوف نے مایوس ہو کر ایک اور تجویز پیش کی۔ جس پر ہم نے توجہ دلائی۔ کہ پہلی تجویز پر عمل ہو جانے کے بعد کوئی اور صورت پیش کرنی چاہئیے۔ اور موصول شدہ مضامین میں سے جو اعلیٰ ہو۔ اسے حسب اعلان شائع کر دیا جائے۔ اسی امر کی طرف توجہ دلاتے ہوئے شیخ عبدالحکیم صاحب شملوی نے ایڈیٹر صاحب موصوف سے یہ عرض کی تھی کہ وہ علماء سے اس امر کی توقع نہ رکھیں کہ وہ اس مسئلہ پر کچھ لکھ کر بھیج سکیں گے۔ کیونکہ ان میں روحانی زندگی نہیں۔

ایڈیٹر صاحب نے کسی قدر بُرا منایا۔ چنانچہ ایک مضمون جو کہ برائے اشاعت ہمارے پاس بھیجا تھا۔ جو دوسرے ضروری مضامین کی وجہ سے شائع نہ کیا جا سکا۔ اب جنوری ۱۹۲۶ء کے رسالہ بلاغ میں انہوں نے حسب ذیل اعلان کیا ہے :-

"ہم نے پانچ چھ مہینے تو علماء کرام اہلسنت والجماعۃ کو توجہ دلائی۔ کہ ختم نبوت پر مضامین لکھیں۔ مگر نشہ کفربازی کے سرشار اصحاب کے سامنے ہماری صدا طوطی بہ نقارخانہ کی صدا سے زیادہ مؤثر ثابت نہ ہوئی۔ ادھر قادیانی احمدیہ جماعت جنہوں نے کہ صحیح طور پر خدمت اسلام کا اہم ذمہ اپنے کندھوں پر اٹھا لیا ہے۔ انہوں نے متعدد مضامین بھیجدئے۔ اور پھر ان کی اشاعت کا تقاضا کیا۔ ہم اہلسنت والجماعت کے مضامین کی انتظار میں انہیں ٹالتے رہے۔ بجز یکہ مایوسی نے ہمیں مغلوب کیا۔ اب ہم انشاء اللہ تعالیٰ فروری ۱۹۲۶ء کے بلاغ میں ایک مضمون منجملہ مضامین شائع کر دینگے"۔

آخر کار ایڈیٹر صاحب موصوف کو بھی اسی نتیجہ پر پہنچنا پڑا۔ جو آج کل کے علماء کے متعلق ہم نے انہیں بتایا تھا ۔

مولوی ظفر علی صاحب کا تازہ کارنامہ

سلطان ابن سعود کے شاہ حجاز بننے کی خبر پر سوائے "زمیندار" کے سارے ہندوستان میں سے کوئی آواز سلطان موصوف کی حمایت میں نہیں اٹھی۔ اور زمیندار کی حمایت کا باعث یہ بتایا جا رہا ہے کہ مولوی ظفر علی صاحب کو خلافت کمیٹی نے جس غرض کے لئے بھیجا تھا۔ اس کے خلاف انہوں نے ساز باز کی ہے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خلافت کمیٹی نے ان کو فوراً واپس آجانے کے لئے تار دیدیا ہے۔

مولوی صاحب کا یہ کارنامہ بھی ان کے دوسرے کارناموں کی طرح مسلمانوں کو ہمیشہ یاد رہے گا۔ اور جن لوگوں نے ان کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا۔ وہ بھی مدت تک ہاتھ ملتے رہینگے ۔

تعجب ہے کہ خلافت کمیٹی تاحال وہ خبریں شائع کرنے سے پہلو تہی کر رہی ہے۔ جن سے مولوی صاحب کے متعلق حالات کا انکشاف ہوتا ہے۔ اور باوجود اخبارات کے مطالبہ کے پہلو تہی کر رہی ہے۔ حالانکہ ان کی اشاعت نہایت ضروری ہے۔

سلطان اخبارات جو سلطان ابن سعود پر اس لئے غداری کا الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے سابقہ اعلانوں کے خلاف اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا اور مسلمانان ہند کو پوچھا تک نہیں۔ انہیں سب سے اول مولوی ظفر علی صاحب کی غداری کا نوحہ کرنا چاہئیے۔ جنہیں مسلمانان ہند کا قائم مقام بنا کر بھیجا گیا۔ مگر انہوں نے اپنے ذاتی فوائد اور اغراض پر وفد کے مقصد اور مدعا کو قربان کر دیا۔ اور خلافت کمیٹی کا نمائندہ بنکر اور خلافت کمیٹی سے خرچ لیکر خلافت کمیٹی کے مدعا کے خلاف کارروائی کی۔ پس غداری کا ارتکاب مولوی ظفر علی صاحب نے کیا ہے جس کا خمیازہ ان کو بھگتنا پڑیگا جنہوں نے ان پر اعتماد کیا۔ اور اپنا نمائندہ بنا کر سلطان ابن سعود کی خدمت میں بھیجا ۔

مہاراجہ بھرتپور اور آریہ سماج

مہاراجہ صاحب بھرتپور نے آریہ سماج بھرتپور کے سالانہ جلسہ میں شریک ہو کر ایک طویل تقریر کی۔ جس میں آریہ سماج کی خدمات کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا "بھارت میں شدھی اور سنگٹھن کے کاریہ کو پُر جوش کرنے کا سارا شریہ آریہ سماج کو پراپت ہے۔ راشٹر بھاشا ہندی لوپ ہوتی جاتی تھی۔ پرنتو آریہ سماج نے اسے مرنے سے بچا لیا۔ بچایا ہی نہیں بلکہ اسے نئی جیون اور امرتا دیا"۔ (ملاپ ۱۵ر جنوری)

یعنے ہندوستان میں شدھی اور سنگٹھن کو دوبارہ زندہ کرنے کا کریڈٹ آریہ سماج کو حاصل ہوا۔ اور اس نے آریہ بھاشا کو غیر فانی بنا دیا ہے۔

مہاراجہ صاحب موصوف کے آریہ سماج کی تعریف اور حمایت میں یہ الفاظ ان لوگوں کیلئے نئے نہیں۔ جنہوں نے فتنہ ارتداد کے زمانہ میں ریاست بھرتپور کی حالت کو دیکھا ہے کیونکہ یہی مہاراجہ صاحب ہیں۔ جن کے اہلکاروں نے نہ صرف آریہ سماجیوں کو اپنی ریاست میں بسنے والے ملکانوں کو مرتد کرنے کے لئے ہر قسم کی آسانیاں بہم پہنچائیں۔ اور سرکاری رعب داب سے آریوں کی مدد کی بلکہ جب احمدی مبلغین نو مسلم آگرہ کی بہت سے ملکانوں کو دوبارہ اسلام میں لے آئے تو ریاست کی کونسل نے احمدی مبلغین کو جبراً اپنے علاقہ سے نکال دیا اور ملکانوں کو دوبارہ آریوں کی شرن میں دیدیا۔

پس جب مہاراجہ صاحب خود شدھی میں اس حد تک حصہ لے چکے ہیں۔ اور آریوں کی حمایت میں اسقدر جوش دکھا چکے ہیں تو شدھی کی تعریف کرنا اور اسے آریہ سماج کا بہت بڑا کارنامہ قرار دینا ان کے لئے کوئی غیر معمولی بات نہیں۔ البتہ اس سے مسلمان والیان ریاست کو ضرور سبق لینا چاہئیے اور دیکھنا چاہئیے کہ وہ اسلام کیلئے کیا کر رہے ہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ بھی ریاست بھرتپور کی طرح ناجائز رعب اور اثر سے کام لیں۔ لیکن یہ ضرور کہتے ہیں کہ جائز ذرائع اور طریقوں سے اشاعت اسلام کی طرف ضرور توجہ فرمائیں ۔

زمیندار کی شرافت

"زمیندار" نے حسب عادت سلطان ابن سعود کی حمایت کی خاطر ان اصحاب کے خلاف بے ہودہ سرائی شروع کر دی ہے۔ جن کے احسانات کا وہ ہمیشہ زیر بار رہا ہے چنانچہ مولانا محمد علی کے متعلق لکھتا ہے :-

"ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ رئیس الاحرار مولانا محمد علی جیسا معاملہ فہم اور سیاسیات اسلامی کا نبض شناس سلطان ابن سعود کے معاملہ میں اسقدر رجعت پسند۔ ڈھل مل یقین اور غیر مآل اندیش کیوں ہو رہا ہے۔ اور یہ کیا مصیبت ہے۔ کہ جن لوگوں کا فرض قوم کو صحیح راستہ دکھانا ہے وہی اسے ضلالت کی طرف لیجانے کی نادانستہ سعی کر رہے ہیں"۔ (زمیندار ۱۲ر جنوری)

اختلاف رائے کی وجہ سے زمیندار کا جھٹ ایسے اوچھے ہتھیاروں پر اتر آنا اس کی شرافت کا ثبوت ہے۔ تھوڑا ہی عرصہ ہوا زمیندار نے اسوقت بھی مولانا محمد علی کے خلاف غیر شریفانہ الفاظ استعمال کئے تھے۔ جب ان کے اخبار میں کابل میں احمدیوں کی سنگساری کے خلاف زبردست مضامین شائع ہوئے تھے۔ اب پھر اس نے وہی طریق اختیار کیا ہے۔ اور اگر معاملہ نے طول کھینچا تو کوئی عجب نہیں۔ زمیندار اپنی ساری شرافت اور نجابت کا اظہار کر دے۔

ایسا بے اصول اخبار شاید ہی کوئی ہو۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مسلمانوں کا متین اور سنجیدہ طبقہ اس سے متنفر ہو رہا ہے اور اس کی مدح یا مخالفت کو محض اس کی ذاتی اغراض سے وابستہ سمجھا جاتا ہے ۔

ہندوؤں کی رشتہ داروں میں شادی

آریوں کی طرف سے اسلام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام نے رشتہ داروں میں شادی کرنے کی اجازت دی ہے۔ اور اسطرح مسلمان گویا اپنی بہنوں سے شادی کرتے ہیں۔ یہ اعتراض علاقہ ارتداد میں مرتد ملکانوں کو آریہ صاحبان خاص طور پر سکھا کر کرایا کرتے تھے۔ اور عام طور پر اخباروں میں بھی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن حیرت ہے۔ وہ اپنے گھر سے بالکل ناواقف ہیں کیونکہ ان کے بزرگ نہ صرف ان رشتہ داروں میں شادی کرتے رہے ہیں جو مسلمانوں کے نزدیک جائز ہیں بلکہ ایسے رشتوں میں بھی کرتے رہے ہیں جو نہایت قریبی ہونے کی وجہ سے مسلمانوں میں ممنوع ہیں چنانچہ اخبار آریہ ویر ۱۷ر جنوری سنہ ۲۶ء "کرشن کا اپنی پھوپھی کی لڑکی سے بیاہ کرنا" لکھنے کے بعد حسب ذیل حوالجات بھی پیش کرتا ہے :-

(۱) "برہما کا بیٹی سے وبھچار کرنا" (۲) "سورج کا اپنے بھائی کی لڑکی سے بیاہ کرنا اور لڑکی کا بولنا کہ اسمیں کوئی حرج نہیں۔ اس نے مثال دی کہ برہما نے اپنی بیٹی سے، وشنو نے اپنی ماں سے، شوجی نے بہن سے بیاہ کیا۔ اسے سنکر بیاہ ہوا۔ اور وہ بہت پوتر ہو گئی"۔

یہ حالات جو ہندوؤں کی مقدس کتب میں ان کے مقدس رشیوں اور منیوں کے متعلق پائے جاتے ہیں۔ بتاتے ہیں کہ آریہ جو اعتراض مسلمانوں پر کرتے ہیں۔ اس کے اصل مستحق ان کے بزرگ ہیں۔ اسلام نے ان کی برائیوں کو دور کر کے صحیح حدود مقرر کر دیئے ہیں ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ جمعہ

صراط مستقیم کا کیا مطلب ہے

از حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہٖ

فرمودہ ۲۲ جنوری ۱۹۲۶ء

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میری آواز اور میرے گلے کی حالت آج ایسی ہے۔ کہ وہ اجازت نہیں دیتی۔ میں بولوں۔ لیکن خطبہ جمعہ چونکہ اسلام کی سنتوں میں سے ایک ضروری سنت ہے۔ اس لئے اسے ترک بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پس میں نہایت اختصار کے ساتھ اپنے دوستوں اور اپنے بھائیوں کو سورہ فاتحہ کے ایک ایسے نکتہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ جو نہایت ہی اہم اور نہایت ہی ضروری ہے

اھدنا الصراط المستقیم کا مطلب

سورہ فاتحہ میں کہا گیا ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔ یعنی اے خدا ہمیں راستہ دکھا پہلے منعم علیہ لوگوں کا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ راستہ کونسا راستہ ہے۔ جو صراط الذین انعمت علیھم میں ذکر کیا گیا ہے۔ کہ ان لوگوں کا راستہ دکھا۔ جن پر تو نے ہم سے پہلے انعام کیا۔

اس کے معنے اگر یہ کئے جائیں۔ کہ ہم سے پہلے جو لوگ گذر چکے ہیں۔ ان کے مدارج ہمیں بھی عطا کر۔ اور جو جو درجے ان کو ملے تھے۔ جو جو رتبے ان لوگوں کو عطا کئے گئے تھے۔ اور جو جو مقام ان کو دیئے گئے تھے۔ وہ سب درجے وہ سب رتبے اور وہ سب مقام ہمیں بھی دے۔ تو گو دنیا کا ہر فرد بشر ایک رنگ میں ان مدارج اور رتبوں کے لئے دعا کرسکتا ہے لیکن سوال یہ ہے۔ کہ کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یہی دعا مانگتے تھے۔ اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ کہ آپ (صلعم) پانچوں نمازوں تہجد اور نوافل کے علاوہ کثرت سے یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اور ادھر یہ بھی ہے۔ کہ آپ صلعم سب سے افضل بھی تھے۔ اب یا تو ہمیں ماننا پڑے گا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر کے درجہ کے بھی لوگ تھے۔ جن کے درجہ کو پانے کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا مانگتے تھے اور اگر ہم یہ مان لیں۔ تو اس صورت میں آپ صلعم کی افضلیت پر حرف آتا ہے۔ یا پھر یہ کہنا پڑے گا۔ کہ آپ (صلعم) نعوذ باللہ یہ کہتے ہیں۔ کہ مجھے بھی پہلے لوگوں کا راستہ دکھا۔ جن پر چل کر وہ منعم علیہ بن گئے۔ اس صورت میں آپ خود وہ راستہ دنیا کے لئے لانے کے اسپر اعتراض ہوتا ہے۔ کہ اس کے ذریعہ منعم علیہ میں انسان شامل نہیں ہوسکتا۔

کونسا راستہ طلب کیا جاتا ہے

اگر صرف اھدنا الصراط المستقیم ہوتا۔ تو ہم کہتے راستہ خدا کا وسیع ہے۔ اور جس طرح زید بکر کو اس کی ضرورت ہے اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس کی حاجت ہے لیکن قرآن شریف نے صراط المستقیم کی تشریح انعمت علیھم کی ہے۔ یعنی ان کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ تو اس انعمت علیھم نے راستہ کو محدود کردیا۔ اب زید اور بکر اور دوسرے لوگ تو اس دعا کو مانگ سکتے ہیں۔ لیکن نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دعا کو نہیں مانگ سکتے۔ کیونکہ ہم سب مانتے ہیں اور شروع سے ہی تمام مسلمان مانتے چلے آئے ہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف رسول ہی تھے۔ بلکہ سید ولد آدم بھی تھے حتیٰ کہ آپ خاتم النبیین تھے۔ اور سب سے زیادہ خدا تعالےٰ کے مقرب بھی تھے۔ مگر جب ہم دوسری طرف یہ بھی مانتے ہیں کہ آپ یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے۔ اور کثرت سے مانگا کرتے تھے۔ نہ صرف پانچوں نمازوں میں بلکہ نوافل میں بھی بلکہ اور اور موقعوں پر بھی۔ تو اگر اسکے یہی معنے کئے جائیں۔ کہ وہی مدارج ہمیں بھی دے۔ جو پہلوں کو دیئے۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ دعا بے فائدہ ہوجاتی ہے۔ یا پھر یہ دعوےٰ بالکل غلط ہو جاتا ہے۔ کہ آپ سب نبیوں سے افضل تھے۔ قرآن شریف سے بھی کوئی استثناء آپ کی نہیں معلوم ہوتی۔ کہ آپ تو یہ دعا نہ مانگا کریں۔ لیکن صحابہ اور دوسرے افراد امت مانگا کریں۔ ایسا ہی نہ آپ کے عمل سے کوئی اس قسم کی استثناء معلوم ہوتی ہے۔ پس اس صورت میں یہی کہنا پڑے گا۔ کہ آپ کے لئے اس سے مراد وہ مدارج نہیں۔ جو پہلوں کو دیئے گئے۔ اور آپ کو نہیں دیئے گئے اور آپ ان کے حصول کے لئے دعا کرتے ہیں۔

آنحضرت صلعم کی شان

مگر ابھی اس بات کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ اور وہ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر بھی کوئی شخص ہے؟ قرآن شریف کہتا ہے نہیں۔ اور روز روشن کی طرح روشن کرکے کہتا ہے کہ آپ تمام انبیاء کے کمالات کے جامع تھے۔ اور جس جس طرح کے اور جتنے جتنے کمال کسی نبی میں پائے گئے۔ وہ سب آپ پر ختم ہوگئے۔ اور نسل آدم کے تمام کے تمام کمال آپ میں جمع تھے۔ مطلب یہ کہ آپ سے بڑھ کر کوئی بھی نہیں ہوا۔ اور کسی کو کوئی ایسا رتبہ یا درجہ یا مقام نہیں دیا گیا۔ جو آپ کو نہ دیا گیا ہو

آیت اھدنا کے معنی

اس صورت میں کہ جب یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ آپ سے پہلے کوئی اور آدمی بھی بڑا ہوا ہے۔ تو ماننا پڑے گا۔ کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم کے یہ معنے نہیں۔ کہ آپ نبیوں کے مدارج مانگتے تھے کیونکہ اس سے قرآن شریف میں اختلاف لازم آتا ہے۔ پس سوچنا چاہیئے کہ وہ کونسے معنے ہیں۔ جن سے یہ اختلاف دور ہو جاتا ہے۔ اس پر جب ہم تدبر کرتے ہیں۔ تو صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ اس آیت کے معنے پہلے لوگوں کی روحانی ترقیات کا طریق ہے۔ اور اس میں یہ دعا سکھائی گئی ہے۔ کہ الٰہی پہلے لوگوں کی روحانی ترقیات کا جو طریق تھا۔ وہ ہمیں بھی عطا فرما۔ ورنہ اگر صراط سے مراد وہ راستہ ہے۔ جس پر پہلے لوگ چلے۔ تو اس کے یہ معنے ہونگے۔ کہ پہلی شریعتیں منسوخ نہیں ہوئیں۔ اور ہم اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں۔ کہ ان شریعتوں پر چلا۔ لیکن یہ بات نہیں۔ تو ہم یہ دعا نہیں مانگتے کہ الٰہی پہلے لوگوں کے راستہ پر چلا۔ کیونکہ اگر یہ دعا مانگیں گے۔ تو اس کا یہ مطلب ہوگا۔ کہ پہلی شریعتیں منسوخ نہیں ہوئیں اور بحال ہیں۔ بلکہ اس سے مراد روحانی ترقی کا طریق ہے۔ کہ جس رنگ میں انہوں نے قدم مارا تھا اور روحانی ترقیات حاصل کیں اسی رنگ میں ہمارا قدم بھی اٹھا۔ تاہم بھی ہر وقت ترقی کرتے چلے جائیں اور روحانیت کی انتہا تک پہنچ جائیں۔

انعمت علیھم کا گروہ

پس ہماری دعا یہ نہیں ہوتی۔ کہ الٰہی تو ان کا راستہ ہمیں بھی دکھا۔ جو ہم سے پہلے گذرے۔ کیونکہ اگر ہم ایسا کہیں۔ تو ہمیں ماننا پڑے گا۔ کہ پہلی شریعتیں منسوخ نہیں ہوئیں۔ لیکن ہم تو یہ کہتے ہیں۔ کہ پہلی شریعتیں منسوخ ہوچکی ہیں۔ اور اب اگر کوئی شریعت ہے تو وہی ہے۔ جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے۔ پس ہماری دعا اس لئے ہوتی ہے۔ کہ ان کے ترقی کے طریق بتا۔ اس لئے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم کی دعا کا اگر کوئی صحیح مفہوم ہمارے نزدیک ہے۔ تو یہی ہے۔ کہ ہر لحظہ اور ہر قدم پر ہمیں ایمانی اور روحانی ترقیات دی جائیں۔ کیونکہ ہم سے پہلے جو تھے۔ وہ جس حال میں بھی تھے۔ علم۔ ایمان اور عرفان میں ترقی کرتے جاتے تھے۔ کیونکہ انعمت علیھم کا گروہ وہی گروہ ہے۔ جس کا قدم ترقی سے رکتا نہیں۔ دوسرا اور کوئی گروہ منعم علیہ نہیں۔ اسلئے ہمیں بھی ویسے ہی روحانی ترقی کے طریق بتا۔ کیونکہ جو ایک جگہ کھڑا ہے۔ اور جس کا قدم ترقی کی طرف اٹھتا نہیں منعم علیہ ہونا تو درکنار اس کا ایمان بھی خطرہ میں ہے۔ اور جس کا ایمان خطرہ میں ہو۔ وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ میں منعم علیہ گروہ میں سے ہوں۔ پس انعمت علیھم وہی گروہ ہے۔ جو ہر لحظہ روحانی ترقی کی طرف قدم اٹھاتا ہے۔ اور آیت صراط الذین انعمت علیھم کے یہ معنے ہوئے۔ کہ ایسے رنگ میں ہمارے ایمان اور ہمارے عرفان کو کردے۔ کہ ہر وقت اس میں زیادتی ہوتی رہے۔

رسول کریم اور دعائے اھدنا

جب اس آیت کے یہ معنے ہیں۔ کہ ہمیں ہر وقت روحانی ترقیات عطا فرما۔ اور کوئی گھڑی بھی ایسی نہ گذرے۔ کہ جس سے ہمارا قدم روحانی ترقی کے اس راستہ پر پڑنے سے رک جائے۔ جس پر ہم سے پہلے لوگ قدم مارتے رہے۔ تو اب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ پہلے انبیاءؑ جس طرح ترقیات کرتے رہے تھے۔ اسی طرح مجھے بھی ترقیات دے۔ جس طرح ابراہیمؑ اپنے درجہ میں ترقی کر رہے تھے۔ جس طرح عیسےٰؑ اپنے درجے میں ترقی کر رہے تھے۔ اسی طرح میں بھی اپنے درجے میں ترقی کروں۔ ان معنوں میں اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یہ دعا کریں۔ تو کوئی حرج نہیں۔

مومن کون ہے

پس صراط الذین انعمت علیہم کا یہی مفہوم ہے۔ اور در حقیقت کوئی شخص مومن نہیں کہلا سکتا۔ جب تک عرفان میں نہ بڑھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک شخص کے لئے ہر وقت رب زدنی علماً کہنا ضروری ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو صراط الذین انعمت علیہم کی یہی تفسیر ہے۔ اس میں جو بات سکھائی گئی ہے۔ وہ یہی ہے۔ کہ ہر ایک شخص ہر وقت یہ دعا مانگتا رہے۔ ربّ زدنی علماً جس طرح آدمؑ کہتے تھے۔ جس طرح موسےٰؑ کہتے تھے۔ جس طرح عیسےٰؑ کہتے تھے۔ اور جس طرح تمام دوسرے نبی کہتے تھے۔ اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کہتے تھے۔ اور ہر شخص بھی یہ کہتا ہے۔ ادنےٰ ہوں یا اعلےٰ ہوں۔ تمام اس میں برابر ہیں۔ پس صراط الذین انعمت علیہم میں یہ سکھایا گیا ہے۔ کہ ہمارے قدم میں روکاوٹ پیدا نہ ہو۔

تباہی کا باعث

پس میں اپنی جماعت کے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں۔ کہ ہر ایک ان میں سے ایمان اور عرفان اور علم میں ترقی کرتا۔ اور آگے بڑھتا جائے۔ تمام تباہی آگے نہ بڑھنے سے آتی ہے۔ اور ساری بربادی اسی سے پیدا ہوتی ہے۔ کہ انسان ایک جگہ پر جم جائے۔ اور ترقی کرنے سے رک جائے۔

خیال اور احساس میں فرق

شائد کسی کو خیال پیدا ہو۔ کہ کون چاہتا ہے۔ کہ آگے نہ بڑھے۔ لیکن محض خیال کچھ نہیں کر سکتا۔ جب تک اس کے ساتھ احساسات نہ ہوں۔ احساس کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص یہ خیال کرے۔ کہ میں علم پڑھ جاؤں۔ تو وہ صرف خیال سے ہی نہیں پڑھ جائے گا۔ جب تک اس میں پڑھنے کا احساس پیدا نہ ہوگا۔ ایسا ہی اگر کوئی شخص یہ خیال کرے۔ کہ میں نیک ہو جاؤں تو وہ نیک نہیں ہو جائے گا۔ البتہ جس میں احساس پیدا ہو جائے گا وہ نیک ہو جاتا ہے۔ غرض صرف خیال کوئی چیز نہیں۔ جو کچھ ہوتا ہے۔ احساس سے ہوتا ہے۔ خیال تو محض علم کا نام ہے۔ ایسے علم کا جس میں اپنا کچھ نہیں ہوتا۔ اور احساس اس علم اور ارادے پر غالب آنے والی ذہنی کیفیت کا نام ہے۔ جو مجبور کرکے اپنا کام کرا لیتی ہے۔ اگر تم خیال کرو۔ کہ محبت پیدا ہو تو محبت صرف خیال سے پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ احساس اسے پیدا کرتا ہے۔ بے شک خیال پہلے پیدا ہوتا ہے اور احساس پیچھے پیدا ہوتا ہے۔ مگر جب تک یہ پیدا نہیں ہوتا۔ خیال کچھ نہیں کر سکتا۔

محبت کا تقاضا

ماں کے دل میں بچے کی محبت کا خیال نہیں ہوتا۔ بلکہ احساس ہوتا ہے۔ پھر وہ اس احساس سے کیا کیا تکلیفیں برداشت کرتی ہے۔ لیکن جو صرف خیال کرتے ہیں۔ کہ محبت ہے وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ محبت کا نتیجہ تو قربانی ہے۔ مگر کتنے ہیں جو محبت کا دعوےٰ کرتے ہوئے پھر قربانی کرتے ہیں۔ قربانی تو اسی وقت ہی کوئی شخص کرے گا۔ جب اسے محبت کا احساس بھی ہو۔ دیکھو ماں کو اپنے بچے کی محبت کا احساس ہوتا ہے۔ پھر وہ ہر قسم کی قربانی اسکے لئے کرتی ہے۔ اور ہر وقت اس کے سکھ کا خیال رکھتی ہے۔ خواہ اس میں اسے خود دکھ میں مبتلا کیوں نہ ہونا پڑے۔

سچا ارادہ

پس وہ خیال جس میں احساس نہیں ہوتا بےفائدہ ثابت ہوتا ہے۔ اور اکارت جاتا ہے اور ایک خیال وہ ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ احساس بھی ہوتا ہے ایسا خیال ضائع نہیں جاتا۔ اور وہ خیال جس کے ساتھ احساس پایا جاتا ہے۔ در اصل خیال کہلانے کا وہی مستحق ہے۔ اور وہی ہے۔ جس سے کچھ نتیجہ بھی برآمد ہوتا ہے۔ مثلاً عبادات میں غور کرو۔ ایک شخص احکام کی پیروی کرتا ہے۔ اور مالی قربانیاں بھی کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ یہ محاسبہ نہیں کرتا۔ کہ مجھے کس حد تک قربانی کرنی چاہئیے۔ اور میں کس حد تک قربانی کر رہا ہوں۔ تو وہ کس طرح کہہ سکتا ہے۔ کہ میں آگے بڑھ رہا ہوں۔ کیونکہ احساس سے ہی ترقی پیدا ہوتی ہے۔ اور احساس کی علامت ہے قربانیاں کرنا۔ اگر وہ ایک حد تک قربانیاں کرتا ہے اور پھر رک جاتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اس کے اندر اس حد تک احساس نہیں۔ جس حد تک کہ چاہیئے۔ اور جب احساس نہیں۔ تو ترقی بھی نہیں۔ پس سچا ارادہ وہی ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ احساس ہو۔ اور اس حد تک ہو۔ کہ اس سے پوری پوری قربانیاں کرانے والا ہو تا کہ وہ ترقی پا سکے۔

نصیحت

پس دوستوں کو چاہیئے۔ کہ وہ اس حالت کو پیدا کریں۔ جو احساس کی حالت کہلاتی ہے اور ربّ زدنی علماً کی کیفیت کو اپنے اندر پیدا کریں۔ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترقی اور قربانیوں کی ضرورت تھی۔ تو ہماری جماعت کے لوگوں کو کیوں ان کی ضرورت نہیں۔ پس میں پھر کہتا ہوں۔ اور بطور نصیحت کہتا ہوں۔ کہ ربّ زدنی علماً کی حالت کو اپنے اندر پیدا کرو۔

مسیح موعودؑ کو ماننے سے ذمہ واریاں

لوگ چند دلائل کو سن لیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں۔ بس ہم نے غور کر لیا۔ ہم نے مان لیا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام برحق تھے۔ اب ہمیں کیا ضرورت ہے کہ مزید غور کرتے پھریں۔ لیکن وہ جانتے نہیں۔ اتنی سی بات سے انہوں نے سب کچھ کر نہیں لیا۔ بلکہ اس سے تو ابھی وہ ڈیوڑھی پر آئے ہیں۔ اور میدان عمل تو ابھی آگے ہے۔ اگر وہ یہاں پہنچ کر رک جائیں۔ تو پھر زنگ لگ جانے کا خطرہ ہے۔ جس سے خوف ہے۔ کہ وہ پھر اسی جگہ نہ جا گریں۔ جہاں سے اٹھ کر وہ یہاں تک پہنچے تھے۔ خدا نے یہ فیصلہ قرار دیا ہوا ہے۔ قانون شریعت میں بھی یہی ہے۔ اور نیچر میں بھی ایسا ہی پایا جاتا ہے۔ کہ جو آگے قدم نہیں بڑھاتا تباہ کر دیا جاتا ہے۔ نیچر کے قانون میں بھی یہی ہے۔ جو کھڑا ہوا وہ تباہ ہوا۔ اور جب تک ہر ساعت آگے نہیں بڑھتا۔ وہ اپنے آپ کو شیطان کے قبضے میں دیتا ہے۔ پس میں نصیحت کرتا ہوں۔ کہ دوست اپنے علم کو اپنے ایمان کو اور اپنے عرفان کو بڑھائیں۔

عرفان کیا ہے

دلائل کا نام عرفان نہیں۔ اور احساس اس کو نہیں کہتے۔ کہ صرف خیال ہی کر لیا کہ میں فلاں کام کروں۔ بلکہ احساس اس کا نام ہے۔ کہ خدا کے ساتھ تعلق مضبوط ہو۔ گویا خدا اور اس کے درمیان ایک رسی بندھی ہوئی ہو۔ اور انسان یہ سمجھتا ہو۔ کہ اگر میں اس سے الگ ہو کر پرے ہٹنا چاہوں تو بھی نہیں ہٹ سکوں گا۔ کیونکہ وہ سمجھے اب میرے تعلقات خدا تعالےٰ سے ایسے مضبوط ہو چکے ہیں۔ کہ اگر چاہوں بھی تو بھی خدا کو نہیں چھوڑ سکتا۔ پس یہ کہنا کاش خدا مل جائے۔ یہ عرفان نہیں۔ بلکہ عرفان یہ ہے۔ کہ انسان سمجھے اب میں خدا سے ایسا مل گیا ہوں کہ اب میری سب طاقتیں مضمحل ہو گئی ہیں۔ اور مجھ میں ہمت نہیں رہی۔ کہ اس تعلق کو توڑ کر کہیں اور جا سکوں۔ میری حالت تو کیلے سے بندھے ہوئے گھوڑے کی طرح ہے۔ کہ وہ کہیں جا نہیں سکتا۔ یہ احساس ہے اور یہ عرفان کہلاتا ہے۔

عرفان بڑھاؤ

جو شخص اس مقام پر پہنچ گیا۔ کہ وہ سمجھتا ہے۔ میرا لگاؤ خدا تعالےٰ سے اب ایسا ہو گیا ہے۔ کہ جہاں کہیں جاؤں گا۔ خدا ہی کا بندہ کہلاؤں گا۔ وہ اگر چاہے بھی کہ چھوڑے تو نہیں چھوڑ سکتا۔ اور اگر وہ چھوڑے تو خدا خود اس کو اپنی طرف لے آتا ہے۔ ایسے آدمی کی مثال پٹے والے کتے کی ہوتی ہے۔

وہ اگر آوارہ بھی ہو جائے۔ تو لوگ اسے اسی مالک کا سمجھتے ہیں۔ جس کا پٹہ اس کے گلے میں پڑا ہوتا ہے۔ جدھر بھی وہ جاتا ہے۔ لوگ پکڑ کر اسے مالک کے پاس لے آتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص احساس پیدا کرلے۔ اور علم اور عرفان میں ترقی کرے۔ تو عبودیت کا پٹہ اس کے گلے میں پڑ جاتا ہے۔ وہ اگر کسی جذبہ کے ماتحت خدا کے ساتھ اپنے تعلق کو توڑ کر دوسروں کے دروازوں پر پھر رہا ہوتا ہے۔ تو بھی سب اُسے یہی کہتے ہیں۔ یہ خدا ہی کا بندہ ہے۔ پس عرفان کو بڑھاؤ

خدا خود علیحدہ نہیں ہونے دیتا۔

جب یہ مقام حاصل ہو جائے۔ تو انسان پھر خدا کو چھوڑ کر کہیں جا نہیں سکتا۔ بھلا سوچو تو ایک کتا اگر اپنے آقا کو چھوڑ کر چلا جائے۔ تو کیا اس کا آقا اسے چھوڑ دیتا ہے۔ اور اس کو تلاش کرکے واپس گھر نہیں لے آتا۔ اگر کسی کی بلی بھاگ جاتی ہے تو وہ اس کے پیچھے پیچھے بھاگا پھرتا ہے۔ اور آرام نہیں لیتا۔ جب تک اسے واپس نہیں لے آتا۔ خواہ واپس لانے میں بلی رضامند ہو یا نہ ہو۔ مگر وہ اسے لے آتا ہے۔ کسی شخص کا ایک طوطا اُڑ جائے۔ تو وہ بھی اس کے لانے کی کوشش کرتا ہے۔ کیا خدا ہی ایسا ہے کہ وہ اپنے بندہ کو جس کے گلے میں اس کی عبودیت کا پٹہ پڑ چکا ہو۔ واپس نہیں لاتا۔ کیا ایک بندہ کی قیمت بلی اور طوطے جتنی بھی نہیں ؟

عرفان ارتداد سے بچاتا ہے

پس اگر عرفان پیدا ہو جائے۔ تو عبودیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جب عبودیت پیدا ہو گئی۔ تو ایسا انسان مرتد بھی اگر ہونا چاہے تو نہیں ہو سکتا۔ عارضی جوش اگر ان تعلقات میں خلل پیدا کردے۔ اور انسان اس عارضی جوش سے پیدا شدہ خلل کے سبب جانا بھی چاہے۔ تو خدا جانے نہیں دیتا۔ لوگوں کی بھینسیں اور گائیں کھرلیوں سے رسے تڑا کر چلی جاتی ہیں۔ مگر لوگ انہیں چھوڑ نہیں دیتے۔ بلکہ پکڑ کے لے آتے ہیں۔ کیونکہ وہ ان کے مالک ہوتے ہیں۔ اور کون ہے جو اپنے مال کو یوں جانے دے ۔

اپنے آپ کو خدا کا مال بناؤ

پس تم بھی اپنے آپ کو خدا کا مال بناؤ۔ تاکہ اس کے بعد تم بھاگنا بھی چاہو۔ تو بھاگ نہ سکو۔ یہی عرفان ہے۔ اور یہ عرفان جوں جوں بڑھتا جائے گا۔ عبودیت کا رسہ مضبوطی سے گلے میں پڑتا جائے گا۔ پس میں پھر کہتا ہوں کہ ہماری جماعت کے دوستوں کو چاہیئے۔ کہ وہ اپنے آپ کو خدا تعالےٰ کا مال بنائیں۔ تا وہ خود ان کی حفاظت کرے ۔

جماعت احمدیہ کے عارف لوگ

ہماری جماعت میں ایسے لوگ بھی ہیں۔ جن کے لئے بہت سی باتیں ٹھوکر کا باعث ہو جاتی ہیں۔ مگر میں جانتا ہوں۔ باوجود ٹھوکر کھانے کے وہ جماعت سے الگ نہیں ہو سکتے۔ مگر ان کے بالمقابل ایسے بھی ہیں۔ جن کو اگر وہی ٹھوکر لگے۔ تو وہ بھاگ سکتے ہیں۔ بعض بڑے بڑے آدمیوں کو میں جانتا ہوں کہ اگر انہیں کوئی ابتلا آئے۔ تو وہ چلے جائینگے۔ مگر ان کے مقابلہ میں بعض ایسے ادنےٰ ادنےٰ آدمیوں کو بھی جانتا ہوں کہ وہ نہیں جائینگے کیونکہ وہ عارف ہو چکے ہیں۔ اور عارف ابتدائی حالت میں غلطیاں بھی کر سکتا ہے۔ لیکن خدا اسے ان غلطیوں کے سبب چھوڑ نہیں دیتا۔ اور اگر وہ جانا بھی چاہے تو خدا اس کی گردن پکڑ لیتا ہے۔ کہ جاتا کہاں ہے۔ اب تو تو میرا بندہ ہے ۔

عارف خطروں سے محفوظ ہوتا ہے

یہ ہے وہ مقام جس کے بعد انسان خطرات سے محفوظ ہو سکتا ہے۔ اگر ہماری جماعت کے اکثر لوگ اس مقام کو حاصل کرلیں۔ تو پھر کسی فتنہ و فساد کا ڈر نہیں رہ جاتا۔ کیونکہ اس مقام پر پہنچ کر پاؤں میں محبت کی بیڑیاں پڑ جاتی ہیں۔ ہاتھوں میں محبت کی زنجیریں پڑ جاتی ہیں۔ گلوں میں محبت کے طوق ڈال دیئے جاتے ہیں۔ پس ہماری جماعت کو چاہیئے۔ کہ دل سے اس احساس کو جو خدا سے دُور کردے دُور کردے۔ اور اس احساس کو پیدا کرے۔ جو خدا کے قریب کر دیتا ہے۔ اور عرفان کے مقام کو پانے کی کوشش کرے ۔

دُعا

میں دعا کرتا ہوں۔ کہ خدا تعالےٰ ہماری کمزوریوں کو دور فرمائے۔ اور ہمیں ایمانی کمی اور قدم کے ڈگمگانے سے بچائے۔ تاہم اس سے دور نہ جا پڑیں۔ اور وہ ہر وقت ہماری مدد کرتا رہے۔ اور ہم کو وہ سب رُوحانی مدارج کے طریق سمجھائے۔ جو اس نے پہلوں کو بتائے تھے ہماری جماعت میں سے جو کمزور ہیں۔ ان کو بھی ہدایت دے ان میں اور ہم سب میں عرفان پیدا فرمائے۔ تاکہ اس کی سچی معرفت حاصل ہو۔ پھر میں یہ بھی دعا کرتا ہوں۔ کہ وہ لوگ جنہیں سلسلہ میں داخل ہونے کی توفیق نہیں ملی۔ مگر جن کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی طرح مبعوث ہوئے۔ جس طرح ہمارے لئے انہیں بھی سلسلہ میں داخل ہونے کی توفیق بخشے۔ تاکہ خدا کا جلال ظاہر ہو۔ پھر میں یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ ہماری طرف سے جو بے توجہی اور کوتاہی اس وقت تک ان کے متعلق ہوئی ہے۔ وہ آیندہ نہ ہو۔ اور وہ سب سلسلہ میں داخل ہو کر خدا کا عرفان حاصل کریں۔ تا خدا کا پورا پورا جلال دنیا میں ظاہر ہو ۔

آمین ۔

رُوئداد جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ ۱۹۲۵ء

۲۶ دسمبر ۱۹۲۵ء

سکھ ازم

شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور کی بقیہ تقریر

(بقیہ)

حضرات! میں نے ایک محققانہ رنگ میں دکھا دیا ہے کہ باوا صاحب ہندوؤں کے کل مسلمہ مذہبی عقائد سے بیزار تھے۔ اور مسلمانوں کے کل مسلمہ مذہبی عقائد کے معترف۔ اسلام کے موٹے موٹے اصول یہی تو ہیں۔ توحید۔ کلمہ طیبہ۔ روزہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان۔ حج کعبہ۔ قیامت ملائکۃ اللہ اور قرآن مجید پر ایمان لانا۔ سو باوا صاحب ان سب پر ایمان رکھتے تھے۔ پھر یہی نہیں۔ بلکہ آپ خالص توحید کے بھی مقر تھے۔ چنانچہ آپ کے اقوال اونکار۔ ست نام کرتار پورکھ۔ نربھو۔ نرویر۔ اکال مورت۔ اجونی سے بھنگ وغیرہ وغیرہ اسپر دال ہیں۔ جن کا مطلب یہ ہے۔ کہ خدا ایک ہے۔ حق ہے۔ خالق ہے۔ اس کو کسی کا خوف نہیں۔ اس کو کسی سے دشمنی نہیں۔ اسپر فنا نہیں آتی۔ وہ پیدا نہیں ہوتا۔

غرض باوا صاحب کا تبصرہ جو آپ نے اپنی زندگی میں ہندو مسلم مذہب پر کیا۔ اور باوا صاحب کا عمل جو آپ نے اسلام کے مطابق کیا۔ بتاتا ہے کہ آپ خالص مسلمان تھے۔ اور آپ کا یہ تبصرہ اسلام کی تائید میں تھا۔ اور ہندو مت کی تردید میں۔

باوا صاحب کے مسلمان ہونے کے متعلق سکھوں کی گواہی

حضرات! یہاں تک تو میں نے باوا صاحب کے اقوال۔ اعمال اور شبد اور شلوکوں کی بناء پر ثابت کیا ہے کہ وہ مسلمان تھے۔ اب میں آپ کے مسلمان ہونے کے متعلق خود سکھ حضرات کی شہادتیں پیش کرتا ہوں۔ جو بلا خوف تردید اس بات کو پیش کر رہی ہیں کہ باوا صاحب مسلمان تھے چنانچہ سب سے پہلے میں داراں بھائی گورداس جی اور جنم ساکھی کی شہادت پیش کرتا ہوں۔ کہ باوا صاحب مسلمان تھے۔ واراں بھائی گورداس جی اور جنم ساکھی کلاں صفحہ ۲۰۷ پر ہے ؎

پھر نیلا جُبّہ پہن کے بیٹھا کے آن
اکو اک خدا ہے آکھے موہوں کلام
نیلا بانا پہن کر دھریا مصلے سیس
آسا کوزہ پاس رکھ پوری کی حدیث

مطلب یہ کہ ان سب باتوں کو کرتے ہوئے باوا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو پورا کیا۔

حضرات! میں اس جگہ یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ واراں بھائی گورداس جی سکھوں میں ایک نہایت ہی معتبر کتاب ہے۔ اور اس کی سکھوں کے ہاں اسقدر عظمت اور قدر ہے۔ کہ سکھ اسے شری گرنتھ صاحب کی چابی کہتے ہیں۔ اب ایسی ثقہ کتاب اس بات پر مہر کر رہی ہے۔ کہ نیلے کپڑے عصا اور کوزہ وغیرہ پاس رکھکر باوا صاحب نے حدیث نبوی کو پورا کیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کسی حدیث نبوی کو بجز مسلمان کے کوئی پورا کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔

تاریخ گرو خالصہ کی باوا صاحب کے اسلام پر شہادت

میں پہلے بتا چکا ہوں۔ کہ تاریخ گرو خالصہ مؤلفہ بھائی گیان سنگھ جی گیانی سکھوں کی نہایت معتبر کتاب ہے۔ اس کے صفحہ ۵۵ پر گرو صاحب کا یہ شلوک درج کیا گیا ہے ؎

جمع کر نام دی پنج نماز گذار

باجھوں نام خدائیدی ہوسیں بہت خوار

اس کا سوائے اس کے اور کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ کہ باوا صاحب کے متعلق یہ دکھایا جائے۔ کہ آپ اسلامی احکام مانتے تھے۔ اس شلوک میں باوا صاحب نے جس حقیقت کو پیش کیا ہے۔ وہ زور کیساتھ بول رہی ہے۔ کہ وہ اسلامی حقیقت ہے۔ فرماتے ہیں۔ عاقبت کے لئے خدا کے نام کا توشہ جمع کرو۔ مگر وہ توشہ بغیر پانچ وقت کی نماز کی ادائگی کے ہرگز ہرگز جمع نہیں ہو سکتا۔ پس اس کے جمع کرنے کے لئے پانچ وقت کی نمازیں پابندی کیساتھ ادا کرنی چاہئیے۔ کیا ایسا شخص جو توشہ اُخروی کا جمع ہونا نماز پنجگانہ کے ذریعہ بتاتا ہو۔ خود اس توشہ کو جمع نہ کرتا ہوگا؟ یقیناً وہ اس کے جمع کرنے کے لئے تن من دھن سے کوشش کرتا ہوگا۔ پس ایسے شخص کے متعلق یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ وہ مسلمان نہیں۔ ہندو تھا۔ باوا صاحب کا سارا کلام چھان مارو۔ کہیں آپ کو نہیں ملیگا۔ کہ آپ نے سندھیا یا گایتری کا پاٹھ کیا ہو۔ یا اس کے متعلق ہندوؤں ہی کو کہا ہو کہ تم ایسے کرو۔ بلکہ وہ تو جا بجا اس کا بطلان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور نہ صرف اس سے بلکہ تمام دیگر عقائد سے بھی ہندوؤں کو روکتے ہیں ؛

واراں بھائی گورداس جی کی شہادت

پھر واراں بھائی گورداس جی کے صفحہ ۱۳ پر یہ عبارت لکھی ہے ؎

بابا پھر مکے گیا نیلے بستر دھار بنواری

عصا ہتھ کتاب کچھ کوزہ بانگ مصلی دھاری

بیٹھا جائے مسیت وچ جتھے حاجی حج گزاری

یعنی باوا صاحب عازم حج ہوئے تو نیلے کپڑے پہنے ہوئے تھے عصا ہاتھ میں۔ قرآن بغل میں کوزہ اور مصلی تھامے ہوئے اس مسجد میں جا بیٹھے۔ جہاں حاجی لوگ حج کے لئے جمع تھے۔

دوستو سوچو! عازم حج کون ہوتے ہیں۔ نیلے کپڑے کن کے ہاں پہنے جاتے ہیں۔ عصا۔ قرآن۔ کوزہ اور مصلی کا اجتماع کون لوگ کرتے ہیں۔ اور کس غرض سے کرتے ہیں۔ پھر اس شان خصوصی کے ساتھ جو شخص اس مسجد میں جا بیٹھے۔ جہاں حاجی لوگ حج کے لئے جمع ہوں۔ کیا اس کے متعلق یہ کہیں گے کہ وہ ہندو ہے؟ ذرا سوچو اور غور کرو۔ اگر وہ ہندو ہوتا تو قشقہ لگائے مرگ چھالا لئے۔ گدڑی ڈوری سنبھالے۔ انگ بھبھوت ملے۔ مالا اور کنٹھا پہنے کسی بن میں جا بیٹھتا۔ یا کسی تیرتھ پر جا بسیرا لگاتا۔ حاجیوں کی مسجد میں اسلامی شان خصوصی کیساتھ جا کر بیٹھنے کی کیا وجہ؟

باوا صاحب نے اذان دی

پھر یہی نہیں۔ اسی واران بھائی گورداس جی کے صفحہ ۲۷ پر مندرج ہے ؎

بابا گیا بغداد نوں باہر جا کیا استھاناں

اک بابا اکال روپ دوجا ربابی مردانا

دتی بانگ نماز کر سن سماں ہویا جہاناں

سورت نہیں۔ ہردوار نہیں۔ بنارس نہیں۔ جگن ناتھ بندرابن نہیں سومنات نہیں۔ بلکہ باوا صاحب بغداد گئے۔ ہاں اس بغداد میں جو ایک عرصہ تک اسلامی حکومت کا گہوارہ رہا۔ اور جس میں کوئی مندر نہیں۔ کوئی شوالا نہیں۔ بلکہ مزار ہیں۔ روضے ہیں۔ خانقاہیں ہیں جہاں ٹل نہیں بجتے۔ ناقوس واویلا نہیں مچاتے۔ بلکہ بانگ اللہ اکبر بلند ہوتی ہے۔ باوا صاحب وہاں گئے۔ وہاں ڈیرا لگایا۔ بھائی مردانہ بھی ہمراہ تھا۔ ایک دلکش اور سریلی آواز میں باوا صاحب نے بانگ دی۔ اور ایسی رسیلی اور پیاری آواز میں قرأت پڑھی۔ کہ سب انگشت بدنداں رہ گئے۔

میرے سکھ بھائی اور ہندو دوست ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کیا باوا صاحب مسلمان نہیں تھے۔ اسپر بھی اگر انکار ہے تو سمجھا ئیگا خدا والا ہی

تاریخ گرو خالصہ سے شہادت

تاریخ گورو خالصہ حصہ اول صفحہ ۲۶۲ پر مذکور ہے:-

"باباجی جدے جا اُترے! ایتھے مائی حوا دی قبر توں پورب رُخ دریا دے کنارے بابے دا مکان ہے! اسے نوں نانک قلندر یا ولی ہندوا دائرہ آکھدے ہن۔ عرب وچ باوا جی عصا۔ استادہ (کوزہ) مُصلّی (جائے نماز) کتاب (قرآن کریم) نیلے رنگ دلق دی ٹوپی۔ (پشمینے کی ٹوپی جو اکثر صوفیا لوگ پہنتے ہیں۔) رکھدے سن۔ تے اپنے ساتھیاں پاسوں بھی رکھاندے سن"۔

صاحبان! جو کچھ میں بیان کر رہا ہوں۔ جو کچھ پہلے میں نے بیان کیا۔ یہ سب کچھ آپ سن رہے ہیں۔ احمدی بھی اس مجمع میں ہیں اور غیر احمدی بھی۔ ہندو بھی اس موقعہ پر موجود ہیں۔ اور سکھ دوست

ثابت

بھی۔ کیا کوئی اس دس بارہ ہزار کے مجمع میں سے بتا سکتا ہے۔ کہ اس وشان کے ساتھ ہندو بھی رہا کرتے ہیں۔ یقیناً آپ میں سے کوئی ایسا نہیں ہوگا جو سینے پر ہاتھ رکھکر یہ کہہ سکے کہ ہاں ہندو لوگ بھی یہ لباس پہنا کرتے ہیں۔ اور اسطرح قرآن عصا۔ کوزہ اور مصلی پاس رکھا کرتے ہیں اور اذانیں دیتے ہیں! اور نمازیں پڑھتے ہیں! اور حج کرتے ہیں! اور نہ صرف خود کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے کیلئے کہتے ہیں پس یہ مسلمانوں ہی کا دستور ہے۔ اور انہی کی یہ شان ہے کہ وہ تذلل و انکسار اختیار کرنے کیلئے جہاں اپنی سیرت میں عاجزی اور فروتنی پیدا کرتے ہیں وہاں ہی اپنی صورت کو بھی خاکسارانہ بناتے ہیں ؛

تاریخ گرو خالصہ سے دوسری شہادت

اور سنئو۔ بھائی گیان سنگھ جی گیانی اپنی تاریخ گورو خالصہ کے صفحہ ۲۶۴ پر تحریر کرتے ہیں:-

"بابے جی نے اپنے ساتھیاں نوں آکھیا تسیں سچے حاجی نہیں اس واسطے ویچ مہر او محبت او خیرات کر دے جائیے تاں نیکی پائیدا ہے جے محبت بازی اور مسخری کر دے جائیے تاں حاجی نہیں ہوندا"!

اللہ اللہ! اسقدر عظمت حج کی باوا صاحب کے دل میں تھی کہ اپنے ہم سفروں کو بھی مہر محبت اور خیرات کی تلقین کرتے ہیں۔ اور محبت بازی اور مسخری سے روکتے ہیں۔ کیا اس عظمت کا باوا صاحب کے دل میں ہونا اس بات کا بین ثبوت نہیں کہ باوا صاحب کے رُوں رُوں میں اسلام اثر کر چکا تھا۔ اور وہ پکے اور سچے مسلمان تھے۔ میرے دوستو سوچو اور پھر سوچو کہ ان سب امور کے ہوتے ہوئے کیا یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ باوا صاحب مسلمان نہیں تھے! اور ہندو تھے۔ اگر ہندوؤں کے یہی طریق ہیں تو دل ما شاد چشم ما روشن" انہیں چاہیئے کہ ان پر عمل پیرا ہو جائیں۔ اور ان سے سر مو غفلت نہ کریں۔ لیکن دوستو کوئی نہیں ہوگا جو یہ کہے کہ یہ ہندوؤں کے طریق ہیں۔ یہ تو خالص مسلمانوں کے طریق ہیں۔ اور خود سکھ صاحبان اور انکی مستند کتب اس بات کی شہادت بہم پہنچا رہی ہیں کہ یہ طریق مسلمانوں کے ہیں۔ اور باوا صاحب نے چونکہ ان کو اختیار کیا اس لئے وہ بھی مسلمان تھے۔

سکھ لٹریچر میں مسیح موعودؑ کے متعلق پیشگوئی

بیشتر اس کے کہ میں اپنے مضمون کو ختم کروں میں دوستوں پر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کے متعلق جہاں اور مذاہب کی کتب میں پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں۔ وہاں سکھ مذہب کی کتب میں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ جنم ساکھی کلاں صفحہ ۲۵۰ پر حضرت باوا نانک صاحب فرماتے ہیں:

"مردانے کہیا جو نرنکار دچ تے آپ وچ کوئی فرق نہیں۔ تاں گورو جی کہیا۔ مردانیاں کرتار نوں سبھے پیارے اکو جیہے ہیں۔ پھر مردانے کہیا۔ گرو بھگت کبیر جیہا بھی کوئی بھگت ہوسی تاں گورو نانک صاحب نے کہیا کہ مردانیاں جٹیٹہ زمینداراں ہوسی۔ پر اساں کچھے ننوں سال تھیں بعد ہوسی۔ اک نرنکار دی آس رکھسی

366

نانی مردانیا۔ کہیڑی تعلائیں ہوسی۔ تے کیہڑے ملک وچ ہوسی تاں
گرو جی نے کہیا۔ مردانیاں وٹالے دے پرگنے وچ ہوسی۔ سن مردانیاں!
زنکار دے بھگت اکو روپ دے ہندے ہن۔ پر اوہ کبیر ناکوں وی وڈا
ہوسی۔ شری گرو جی مردانے اگے سینا پربت نوں ایہہ گل کر کے چلے گئے"۔
مطلب:۔ حضرت باوا نانک نے مردانے کو کہا خداوند تعالےٰ
کے سب بھگت یکساں ہیں۔ پھر مردانے نے کہا۔ کہ کیا کوئی خدا کا
بھگت اور کبیر سے بھی بڑھکر ہوگا۔ تو شری گورو نانک جی نے کہا
ہاں مردانیاں اک زمیندار ہوگا۔ اور ہم سے صد سال پیچھے کے
زمانہ میں ہوگا۔ یعنی سو سال کے بعد کے آنیوالے زمانہ میں ہوگا۔
اس کے اندر نہیں۔ وہ صرف ایک واحدہٗ لاشریک کا ہی سہارا لیگا
علاوہ خدا کے وہ اور کسی پر نظر نہیں رکھیگا۔ تو مردانے نے کہا وہ
کس جگہ ہوگا۔ اور کس ملک میں۔ تو حضرت باوا صاحب نے جواب دیا
کہ بٹالہ کی تحصیل میں ہوگا۔ اگرچہ سب خدا کے پیارے ایک ہی روپ
کے ہوتے ہیں۔ مگر اے مردانیاں اس بھگت کبیر سے بھی بڑا ہوگا
گرو صاحب مردانہ سے یہ کہتے ہوئے سینا پہاڑ کی طرف چلے گئے:۔

حضرت مسیح موعودؑ زمیندار تھے۔ اور آپ تحصیل بٹالہ میں پیدا ہوئے
اور باوا نانک کے سو سال کے بعد کے زمانہ میں معبوث ہوئے۔ آپ
زمیندار خاندان کے ایک معزز گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اور یہ ظاہر
ہے کہ قادیان تحصیل بٹالہ میں ہی واقعہ ہے۔ سبحان اللہ کیسی واضح
اور بین پیشگوئی ہے۔ اسی طرح حدیث شریف میں بھی وارد ہے۔
کہ آنے والا مسیح زمیندار خاندان سے تعلق رکھیگا:۔

اس پیشگوئی میں حضرت باوا نانک صاحب نے بتلایا ہے۔ کہ میرے
بعد جو سو سال کے پیچھے آئیگا۔ وہ صرف خدا پر سہارا رکھیگا۔ اب
دیکھو حضرت مسیح موعودؑ نے دعاؤں پر کسقدر زور دیا ہے۔ آپ
کے ہر لفظ سے دعا اور خدا کا سہارا اظہر ہے۔ اس فیج اعوج میں
جبکہ لوگوں کے قلوب سے خداخوفی اور خداترسی بالکل مفقود
ہو چکی تھی۔ لوگ دعاؤں کو جو اسلام کی روح رواں ہے ایک میلی
چادر کی طرح پھینک رہے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے آکر بتلایا۔
اگر تم چاہتے ہو کہ وہ ستار تمہاری ستاری کرے۔ اور تم دنیا میں ترقی کرو
تو تم پھر اس دعا کی چادر کو لے کر اوڑھ لو۔ جسکو اوڑھ کر لوگ حیوان
سے انسان اور انسان سے باخدا انسان بن گئے۔ تو حضرت باوا نانک
کی پیشگوئی سے اگر کوئی برگزیدہ کبیر بھگت سے افضل نظر آتا ہے۔ بعد
باوا صاحب کی پیشگوئی کے حرف حرف پر پورا اترتا ہے۔ تو وہ صرف
حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی ہے۔ پھر آگے گرنتھ صاحب میں اس
پیشگوئی کو نہایت واضح اور مبرہن کیا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

نہ کلنک کا کام سیا	شری اس کیت جگت کا بھیلے
بھیں بہشت گگن تے بھئی	سب ہن آن دوہائی دی
دھنیو دھن لوگن کے راجا	دشتن دہ غریب نواز ۲
اخل بھون کے سرجنہار	داس جان موہ لیوا او بھارے

اس جگہ گرنتھ صاحب نے جنم ساکھی کی مذکورہ بالا پیشگوئی
کو قطعی صاف اور واضح کردیا۔ لکھا ہے کہ اس کا نام بھگوگا۔ اور
وہ صرف بنی اسرائیل کے لئے نہیں ہوگا۔ وہ کسی خاص قوم اور
کسی خاص ملک کے لئے نہیں ہوگا۔ بلکہ تمام جگت یعنی روئے
زمین اور کل دنیا کے واسطے مسیح ہوگا۔ اور اس کی توجہ دعا ہوگی
اور اس دعا کی تلوار سے ہی اپنے دشمن کا سر کاٹے گا۔ وہ اپنے
راکشس کا سر آہنی تلوار سے نہیں دعا اور پرارتھنا کی تلوار سے کاٹے
گا۔ اس کی دعاؤں میں خاص سوز و گداز ہوگا۔ اور وہ دعا کے
ہتھیار سے ہی اپنے زبردست مقابل میں آنے والے دشمن کا
سر کاٹے گا۔ (ذرا پنڈت لیکھرام کے متعلق پیشگوئی کو مدنظر رکھا
جائے) اس کی دعاؤں کو آسمان قبول کریگا۔ فرشتے آسمان
سے پھولوں کی بارش کرینگے۔ سب لوگ مبارک مبارک کہیں گے
اس کی دعائیں ظالموں کے لئے آہِ خانہ سوز ہونگی۔ اور غریبوں
کے واسطے ابر رحمت۔ آگے گورو صاحب فرماتے ہیں۔ کہ یہ کوئی تعجب
اور اچنبے کی بات نہیں ہے۔ وہ خدا جو تمام کائنات کا خالق ہے
اس کے سامنے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اب دیکھئے دنیا کے
لئے عیسیٰ کون ہے۔ کس کی دعائیں ظالموں کے لئے آہِ خانہ سوز
ثابت ہوئیں۔ کس کی دعائیں غریبوں کے لئے ابر رحمت ثابت
ہوئیں۔ کس کی دعاؤں کو آسمان نے قبول کیا۔ کس کی دعاؤں
سے خوش ہوکر آسمان نے فرشتوں کے ذریعہ پھولوں کی بارش
کی کس کی دعاؤں کی عام قبولیت دیکھکر چار دانگ عالم سے واہ
واہ اور سبحان اللہ سبحان اللہ کا شور برپا ہوا۔ کیا وہ تحصیل بٹالہ میں
آنیوالا اجنبیہ تو نہیں۔ جس کا نام مرزا غلام احمد قادیانی ہے یقیناً
وہی ہے:۔

سیاسی نقطۂ خیال سے مضمون پر بحث

حضرات اس کے بعد میں یہ بتانا چاہتا
ہوں۔ کہ سکھ گوروؤں اور مسلمان امرا اور بادشاہوں کے تعلقات
ہمیشہ خوشگوار رہے ہیں۔ اور ان میں کبھی کوئی ایسی بات پیدا نہیں
ہوئی۔ جس سے فکر رنجی پیدا ہو۔ برخلاف اس کے ہندو ہمیشہ
گوروؤں کے متعلق ریشہ دوانیاں کرتے رہے۔ اور مسلمانوں کو
اکساتے رہے۔ لیکن مسلمانوں نے ہمیشہ سکھوں کی مدد کی اور
گوروؤں کی عزت و احترام کرتے رہے:۔

ہندوؤں کی کوشش

مگر جس طرح اس وقت ہندو صاحبان مسلمانوں اور سکھوں کے
درمیان نفاق پیدا کرنے کیلئے کوشش کرتے رہے۔ اسی طرح اس
وقت بھی کر رہے ہیں۔ پنڈت مدن موہن مالوی لالہ لاجپت رائے
اور سوامی شردھانند جیسے ہندو لیڈر یہ کہکر سکھوں کو مسلمانوں
کے برخلاف اکساتے رہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں نے گوروؤں کے فرزندوں
کو قتل کردیا۔ اور اس واقعہ کو وہ اس قدر مرچ مصالحہ لگا کر پیش
کرتے ہیں۔ کہ ناواقف سکھ بھڑک اٹھتے ہیں۔ ہمیں ہندوؤں پر تو جو افسوس
ہے سو ہے ہی کہ وہ واقعات کو توڑ مروڑ کر مسخ صورت میں پیش کرتے
ہیں۔ مگر سکھوں پر بھی افسوس ہے کہ وہ اپنی تاریخ سے آگاہ نہیں۔
پھر یہ ہمارا بھی قصور ہے کہ ہم نہ تو ہندوؤں کے الزاموں کا جواب
دیتے ہیں۔ اور نہ سکھوں کو ان کی تاریخ سے واقف کرنے کی کوشش
کرتے ہیں۔ ہمیں چاہئیے کہ ہندوؤں کے اس پروپیگنڈا کا ازالہ کریں۔
اور ادھر سکھوں کو بھی بتائیں۔ کہ آپ کی تاریخوں میں تو یوں لکھا
ہے۔ اگر ہم ان کو ان کی تاریخ کے اصل واقعات دکھائیں اور بتائیں
تو وہ اور بھی ہمارے قریب ہو جائیں۔ الغرض میں تقریر ختم کرنے سے
پیشتر چاہتا ہوں۔ کہ مختصر طور پر چند ایسے واقعات آپ کے سامنے
بیان کردوں۔ جو اس بات کو ظاہر کریں کہ مسلمانوں کے تعلق سکھ
گوروؤں سے خوشگوار تھے۔ اور انہوں نے ان کے فرزندوں کو قتل
نہیں کروایا۔ بلکہ یہ ہندو ہی تھے جنہوں نے ایسا کرایا۔ اور ایسا
کرانے کی ہر وقت کوشش کرتے رہے:۔

تیسرے گورو پر ایک ہندو کا دعوےٰ

یہ ظاہر ہے کہ تیسرے گورو مہاراج امرداس جی صاحب
کے عہد میں فقیری اور امیری ایک جگہ جمع ہوئیں۔ ورنہ پہلے گورو بالکل
فقیر منش انسان تھے۔ اگرچہ تیسرے گورو جی بھی دنیا سے کوئی محبت
نہ رکھتے تھے۔ لیکن عقیدتمندوں کی زیادتی کے باعث ان کے املاک
و مال میں اضافہ ہوتا گیا اس لئے فقیری کیساتھ امیری بھی جمع ہونی شروع ہوگئی۔
یہ گورو صاحب کرتارپور چھوڑ کر بندوال آگئے۔ تو گوبند نامی
ایک ہندو نے ان پر دعوےٰ کیا تھا۔ لاہور کے مسلمان حاکم نے گورو
صاحب کے حق میں فیصلہ کیا:۔

اکبر کی طرف سے معافی

ایسا ہی سمت ۱۶۳۳ بکرمی میں اکبر بادشاہ
لاہور کو جاتا ہوا گورو امرداس جی کو ملا۔
موضع سلطان خلم اور تونگ وغیرہ کے نواح کی زمین گورو صاحب
کو عطا فرمائی۔ اور سند معافی لکھ دی۔ یہ قطعہ کم از کم ۲۸ ہزار بیگھہ
کا تھا۔ اور نقد بھی نذرانہ دیا:۔

دربار صاحب امرتسر کی بنیاد کس نے رکھی

ایسا ہی پانچویں گرو صاحب کے
تعلقات بھی مسلمان فقرا
اور صوفیا سے مخلصانہ تھے۔ آپ نے جب دربار صاحب امرتسر کی بنیاد
رکھی۔ تو کسی ہندو کو سنگ بنیاد رکھنے کیلئے نہ چنا۔ بلکہ حضرت میاں میر
علیہ الرحمتہ سے عرض کی کہ آپ دربار صاحب کا سنگ بنیاد اپنے دست مبارک
سے رکھیں۔ چنانچہ حضرت میاں میر صاحب سے آپکے تعلقات اور آپ کی عقیدت
کا یہ حال تھا کہ اینٹ کے رکھتے وقت جب حضرت میاں میر صاحب سے
اینٹ ٹیڑھی رکھی گئی۔ اور معمار نے سرکا کر سیدھی کردی۔ تو گرو صاحب نے
معمار کو مخاطب کر کے کہا۔ کہ تو نے غضب کردیا۔ پاک اور مطہر ہاتھوں
کی رکھی ہوئی اینٹ کو سرکا دیا۔ اب اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ ایک دفعہ
یہ مندر گرے گا۔ اور پھر بنے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایسا ہی جب گورو ارجن دیو جی نے لاہور میں باؤلی بنوائی۔ تو حسن خاں حاکم لاہور نے ہر قسم کی مدد دی۔ پھر پرتھی چند ایک ہندو نے گورو صاحب کے خلاف دعوے دائر کیا۔ مگر مسلمان حکام نے گورو صاحب کی عزت اور توقیر کو بڑھایا اور یہ خیال نہ کیا کہ آپ کی سیاسی عظمت بڑھ رہی ہے اور وہ کسی وقت مضر ثابت ہوگی مقدم رکھا۔ اور پرتھی راج کا دعوے خارج کر دیا۔

چندولال کی شکایت

چندولال وزیر نے ایک دفعہ شکایت کی۔ کہ گورو صاحب نے جو آدھ گرنتھ ایک کتاب بنائی ہے۔ اسمیں مسلمانوں کی بہت توہین کی ہے۔ اس پر گرنتھ صاحب کو دربار میں لایا گیا۔ اور جب سنا گیا۔ تو اس میں جابجا اسلام کی تعریف پائی گئی۔ اسپر حاکم وقت نے بجائے اسکے کہ چندولال کی اس ایذا رسانی کی طرفداری کرتا۔ بہت کچھ نذر و نیاز دی اور لگان بھی معاف فرما دیا

چندولال کی ایذارسانی

اسکے بعد چندولال نے یہ کوشش کی۔ کہ گورو صاحب کے ہاں کسی طرح میری لڑکی کا رشتہ ہو جائے۔ مگر گورو صاحب نے انکار کر دیا۔ شہنشاہ جہانگیر اسوقت کشمیر میں تھا۔ اور چندولال سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ اس نے بادشاہ کی عدم موجودگی میں گورو صاحب کو بلا کر دبا ڈالنا چاہا کہ وہ اسکی لڑکی کا رشتہ لینا منظور کریں۔ مگر گورو صاحب نے پھر بھی انکار ہی کیا۔ اسپر اس نابکار نے جیٹھ اور اساڑھ کی جلتی بلتی دھوپ میں برہنہ بٹھا کر جلتی بلتی ریت آپ کے جسم پر ڈالنی شروع کی۔ یہاں تک کہ گورو صاحب کے جسم پر آبلے پڑ گئے۔ اس دلخراش واقعہ کو دیکھ کر حضرت میاں میر صاحب نے گورو ارجن دیو جی مہاراج کو کہلا بھیجا۔ کہ میں شاہِ وقت کو اس پاپی کے جور و ظلم سے اطلاع دیتا ہوں۔ اور خود اس سفاک کے حق میں بددعا کرتا ہوں۔ مگر گورو ارجن دیو جی مہاراج جواباً عرض کرتے ہیں۔ آپ اسکے لئے تو بددعا نہ کریں۔ مگر میرے لئے دعا کریں۔ کہ خدا تعالےٰ مجھے اس امتحان میں کامیاب فرمائے۔

حضرات دیکھتے جایئے مسلمانوں کے سکھ گوروؤں کے ساتھ کیا تعلق ثابت ہو رہے ہیں۔ اور ہندوؤں کے کیا۔ یہ واقعات میں اپنی طرف سے بیان نہیں کر رہا کسی غیر مستند کتاب سے پیش نہیں کر رہا کسی مخالف کے پیش کردہ دلائل نہیں بتا رہا۔ بلکہ خود سکھوں کی کتابوں سے ان واقعات کو گوشگذار کر رہا ہوں۔ تاریخ گورو خالصہ میں بالخصوصیت کے یہ سب واقعات مندرج ہیں۔ دوستو باوجود ان باتوں کے کہ سکھ خود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمان ہمیشہ ان کے ساتھ دوستانہ طریق برتتے رہے۔ پھر بھی ہندو انہیں ہمارے برخلاف اکسا رہے ہیں۔ اور اوقات سکھوں کے بھرے میں آکر اسلام کے برخلاف ... اسلام کے برخلاف جیسے باوا صاحب نے پیش کیا۔ اور جس کے باوا صاحب از حد دلدادہ تھے۔ کیا سے کیا کہہ جاتے ہیں۔ ان ہی واقعات کو دیکھئے کہ کیا چندولال نے ایذا رسانی کی ہرگز نہیں۔ بلکہ اس پاپی نے جب دیکھا کہ جلتی بلتی ریت جسم پر ڈالنے سے بھی گورو صاحب کے پائے ثبات متزلزل نہیں ہوئے۔ تو اس نے کھولتے ہوئے پانی کی دیگ میں گورو صاحب کو ڈالدیا۔ آہ! دوستو! روح اسوقت کانپ اٹھتی ہے۔ جسم میں اسوقت لرزہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ کالبد خاکی اس وقت تھرا اٹھتا ہے۔ جب چندولال کے اس ظلم کا خیال آتا ہے۔ آہ! گورو ارجن دیو جی مہاراج کا جسم کھولتے ہوئے پانی میں ڈالا گیا۔

چھٹے گورو کے تعلقات مسلمانوں سے

پھر چھٹے گورو ہوئے۔ جن کا نام گورو ہرگوبند صاحب تھا۔ اور جنہوں نے بعض ضروریات کیلئے تلوار کو کمر سے باندھا آپ جب لاہور تشریف لائے۔ تو کسی پنڈت یا کسی برہمن یا کسی مہاتما سے نہیں ملے۔ بلکہ آپ سیدھے حضرت میاں میر صاحب شیخ جان محمد صاحب لاہوری شاہ محمد اسماعیل صاحب۔ شیخ کرم شاہ صاحب وغیرہم کی ملاقات کیلئے گئے۔ اور انہیں سے گیان دھیان کی باتیں بھی کیں۔ چندولال نے اس وقت بھی گورو صاحب کی دشمنی نہ چھوڑی۔ اور جہانگیر کے کان بھرنے شروع کر دیئے۔ کہ گورو صاحب علم بغاوت بلند کرنیوالے ہیں۔ مگر جہانگیر بدظن نہ ہوا۔ اور اسکے تعلقات میں سر مو فرق پیدا نہ ہوا۔ جہانگیر جو کہ ہندوستان بھر کا بادشاہ تھا۔ اس سے بے خبر نہیں تھا۔ کہ گورو صاحب نے باقاعدہ فوج رکھی ہوئی ہے۔ اور یہ کہ گورو صاحب تلوار حمائل کئے ہوئے ہیں۔ مگر باوجود اسکے اس نے چندولال وغیرہ کی شکایات کی پرواہ نہ کی۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ جہانگیر گورو صاحب کی صریح رعایت کرنا چاہتا تھا۔ اور بجائے اس کے کہ وہ ان لوگوں کی شکایات سے بدظن ہو کر گورو صاحب کے برخلاف کوئی کارروائی کرتا اس نے وزیر خاں نائب وزیر اور غنچہ بیگ دوہزاری کو سوا دو سو اشرفی دیکر گورو صاحب کے پاس بھیجا۔ اور گورو صاحب کے پتا کی تعزیت کی۔ اور جب گورو صاحب جہانگیر کو ملنے کیلئے دہلی آئے تو ماسوائے پرتپاک اور پر تعظیم ملاقات اور استقبال کے جہانگیر نے پانصد روپیہ گورو صاحب کا خرچ مقرر کیا۔

جہانگیر کی نوازش

چندولال وغیرہ چونکہ ان کے دشمن ہوئے تھے۔ اسلئے کسی نہ کسی بہانے سے انہیں گوالیار کے قلعے میں قید کرا دیا۔ مگر وزیر خاں۔ حضرت جلال الدین سجادہ نشین حضرت نظام الدین اولیاء اور حضرت میاں میر صاحب نے سفارش کر کے رہا کرا دیا۔ مگر گورو صاحب نے فرمایا۔ کہ جب تک دوسرے شاہی قیدیوں کو رہا نہ کیا جائیگا میں رہا نہ ہونگا۔ اس پر محض گورو صاحب کی خاطر باون ہندو راجاؤں کو جو سلطنت کے باغی تھے رہا کر دیا گیا۔ کیا اس سے بڑھکر خاطرداری کسی کی ہو سکتی ہے۔ پھر جہانگیر نے گورو صاحب کو سات ضرب اتواپ اور ڈیڑھ ہزار سپاہ رکھنے کی بھی اجازت دے دی اور پنجاب کی نگرانی بھی گورو صاحب ہی کے سپرد کر دی۔

چندولال گورو صاحب کے حوالے

پھر ایک موقعہ پر گورو صاحب نے جب چندولال کی حرکات و سکنات کے متعلق بادشاہ سے کہا۔ اور جرم ثابت ہو گیا۔ تو بادشاہ نے بغیر اس خیال کے کہ چندولال سلطنت کا ایک معزز عہدہ دار ہے محض اسوجہ سے کہ گورو صاحب کے والد بزرگوار کا قاتل ہے قطعی طور پر اسے گورو صاحب کے حوالے کر دیا۔ کہ یہ میرا مجرم نہیں آپ کا مجرم ہے۔

خلاصہ

حضرات! کہاں تک ان واقعات کو پیش کرتا چلا جاؤں۔ مسلمان بادشاہوں اور مسلمان امراء نے ہر طرح کی رعایت اور ہر طرح کی تعظیم و تکریم گورو صاحبان کی مدنظر رکھی۔ مگر یہ ہندو ہی تھے۔ کہ ان کے برخلاف خود بھی جوش سے اندھے ہو رہے تھے۔ اور دوسروں کی آنکھوں میں بھی ان کے برخلاف مٹی ڈالنا چاہتے تھے۔ مسلمان بادشاہوں نے اپنے باجگذاروں سے گوروؤں کو تحفے و نذرانے دلائے۔ گورو صاحبان بیمار ہوں تو بنفس نفیس انکی عیادت کیلئے تشریف لے جائیں۔ گورو صاحبان کا دشمن اگر کوئی پیدا ہو تو مسلمان بادشاہ خود اس کا سر کچلنے کیلئے آگے بڑھیں۔ گورو صاحبان پر الزام لگائے جائیں۔ تو مسلمان بادشاہ بجائے انہیں متہم و ملزم گرداننے کے انہیں موقر و معزز بنائیں۔ چندولال۔ چندولال کا بیٹا کرم چند۔ گورو صاحب کا چچیرا بھائی مہربان نام۔ دہیر مل۔ بھگوانا۔ رام رائے۔ گوبند مہنت کرپا داس۔ دیوان سچیدانند۔ گنگو برہمن۔ دربار امرتسر کے جملہ پجاری۔ راجہ بھیم چند۔ راجہ کرپال چند۔ راجہ کیسری چند۔ راجہ سکھ دیو راجہ ہری چند۔ راجہ پرتھی چند۔ راجہ فتح چند وغیرہ وغیرہ کون تھے۔ اور ان کا سکھ گوروؤں سے کیا تعلق تھا۔ جاؤ سکھوں کے ہاں کی کتابیں پڑھو۔ آپ ہی پتہ چل جائیگا۔ کہ یہ دشمن تھے۔ یہ مار آستین تھے۔ یہ بھیڑ کے لباس میں بھیڑیئے تھے۔ جو گورو صاحبان کی جان کے لاگو تھے۔ لیکن ان کے بالمقابل جہانگیر بادشاہ ہے۔ عالمگیر بادشاہ ہے۔ اکبر بادشاہ ہے۔ شاہجہان بادشاہ ہے۔ وزیر خاں نائب وزیر ہے۔ حسن خاں حاکم لاہور ہے۔ غنچہ بیگ دوہزاری ہے۔ حسن علی شاہ عربی ہے۔ سیف علی خاں ہے۔ سید بدھن شاہ ساڈھوری ہے۔ سید بدھن شاہ ساڈھوری کا لڑکا ہے (جو راجوں کی لڑائی میں گورو صاحب کی حمایت میں مارا گیا) نبی خاں اور اس کا بھائی غنی خاں ہے۔ قاضی پیر محمد قاضی ہے۔ حضرت میاں میر صاحب ہیں۔ حضرت جلال الدین صاحب سجادہ نشین حضرت نظام الدین اولیاء ہیں۔ شیخ جان محمد صاحب لاہوری ہیں۔ شاہ محمد اسمٰعیل صاحب ہیں۔ نواب مالیر کوٹلہ ہے۔ نواب سوہندہ ہے۔ نواب روپڑ ہے۔ شہزادہ دارا شکوہ ہے۔ اور اور امراء اور وزراء فقراء صوفیاء ہیں۔ جو گورو صاحبان کے دوست ہیں۔ اور گورو صاحبان کے پسینے کی جگہ اپنا لہو بہانے والے ہیں۔ جو گورو صاحبان کی مدد کرنے والے ہیں۔ جو گورو صاحبان کے اعزاز و اکرام کو بڑھانا تو کجا دوبالا کرنیوالے ہیں۔ پھر ان سب امور کے ہوتے ہوئے کیسے یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ مسلمان سکھوں کے دشمن تھے۔ اور انہوں نے گوروؤں کے بچوں کو قتل کرا دیا۔ پس اے میرے دوستو! مسلمان تو گورو صاحبان کے خیر خواہ اور خیر اندیش تھے۔ وہ تو ان کے محافظ تھے۔ وہ کیسے گورو زادوں کو تہ تیغ کر سکتے تھے۔ یہ چندولال اور چندولال کی قماش کے ہی آدمی تھے۔ جنہوں نے انکو قتل کیا۔ ان کے زنانہ کو تکلیفیں دیں۔ پس ان واقعات کو سکھ صاحبان کے سامنے پیش کرنا چاہیئے۔ کہ ہم تو آپ کے خیر خواہ ہیں نہ آج سے بلکہ ہمیشہ سے۔ کیونکہ

(بقیہ صفحہ ۲)

یہ یقین دلائیں۔ کہ جو کچھ لکھا گیا ہے۔ نادانستہ لکھا گیا ہے۔ ورنہ اپنے کسی بھائی پر حملہ ان کے مدنظر نہ تھا۔ اور میں اللہ تعالےٰ کا شکر کرتا ہوں۔ کہ اس نے ہمیں وہ جماعت دی ہے۔ جو غلطی کے اعتراف پر دلیر اور اس کا ازالہ کرنے پر آمادہ رہنے والی ہے۔ اور یہی امر اس بات کی شہادت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہزاروں قلوب کی کایا پلٹ دی ہے۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ اب تک میں ایڈیٹر صاحب فاروق کے خط کے متعلق کچھ شائع نہیں کر سکا۔ لیکن اب جبکہ میں نے ان کی سچی اور مخلصانہ ندامت کو شائع کر دیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں۔ کہ ایڈیٹر صاحب نور بھی اور ان کے دوست بھی ان کے اس اظہار افسوس کو مومنانہ طریق پر قبول کر کے اپنے دل سے ہر اک شکوہ کو نکال دینگے۔ اور آئندہ دونو صاحب اور ان کے احباب بھائیوں بھائیوں کی طرح بسر کرینگے۔ اور اپنی سب طاقت اسلام کی شوکت اور قوت کے بڑھانے میں خرچ کرینگے دونوں دوستوں کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو اسلام کی بے نظیر خدمت کا موقع دیا ہے۔ اور دونوں ہی سلسلہ کے نہایت کارآمد ہتھیار ہیں۔ پس ان کو آپس میں نہیں کٹنا چاہیئے تا دھاریں کند نہ ہو جائیں۔ اور کام سے رہ نہ جائیں

سلطان ابن سعود

سلطان عبد العزیز ابن سعود نے مدینہ منورہ اور جدہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور ملک حجاز ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ ہندوستان میں اس کے متعلق پھر شور پیدا ہوا ہے۔ خلافت کمیٹی جو پہلے ان کی تائید میں تھی۔ اب ان کے خلاف آواز اٹھا رہی ہے۔ کہ کیوں مؤتمر اسلامی کے فیصلہ کا انتظار نہیں کیا گیا۔ حجاز مقامات مقدسہ کا ملک ہے۔ اس کے تغیرات ہمارے خیالات اور ہمارے مفاد پر بھی اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس لئے اپنی جماعت کی ہدایت کے لئے میں لکھتا ہوں۔ کہ سلطان نجد کے خلاف ہمیں صرف یہی شکوہ تھا۔ کہ انہوں نے طائف میں سخت ظلم کو روا رکھا۔ اور مکہ مکرمہ میں کئی عمارتوں کو جو مقدس سمجھی جاتی تھیں۔ گرا دیا۔ ان کا حق تھا۔ کہ ان عمارتوں کو مقدس نہ سمجھتے۔ اور ان کا حق تھا۔ کہ جو لوگ غلطی میں پڑے ہوئے تھے ان کو سمجھاتے۔ مگر ان کا یہ حق نہ تھا۔ کہ وہ ان عمارتوں کو گرا دیتے۔ کیونکہ یہ دوسروں کے مذہب میں دست اندازی ہے جو اسلام میں جائز نہیں۔ ہمیں خوف تھا۔ کہ یہی کچھ وہ مدینہ منورہ میں نہ کریں۔ لیکن جب انہوں نے یقین دلایا۔ کہ وہ ایسا نہ کرینگے اور جب مدینہ منورہ میں داخل ہو کر بھی انہوں نے یہ فعل نہ کیا تو ہمارے نزدیک ان سے اختلاف کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی اور اس لئے اب میں سمجھتا ہوں۔ کہ ان کے ملک حجاز ہونے پر ہمیں کوئی گھبراہٹ کی وجہ نہیں۔ اور میرے نزدیک خلافت کمیٹیوں کا شور نا واجب ہے۔ آخر خلافت کمیٹیوں نے سلطان نجد کے لئے کیا کیا ہے۔ کہ جس کے بدلہ میں وہ ان سے یہ مطالبہ کرتی ہیں۔ کہ لاکھوں روپیہ خرچ کرنے کے بعد اور ہزاروں نفوس کو خطرہ میں ڈالنے کے بعد وہ حجاز کو ان لوگوں کے ہاتھ میں چھوڑ کر الگ ہو جائیں۔ جو حکومت کے نام سے بھی ناآشنا ہیں۔ خلافت کمیٹیوں کے مؤتمر کیا کرتا اور کس کو بادشاہ بناتا۔ اس ملک کی ذہنی حالت اس قسم کی ہے ہی نہیں۔ کہ جمہوریت اس میں نشوونما پا سکے۔ جمہوریت کی قبولیت یا تو علم کی تخم ریزی سے یا اس کی صحبت سے ہوتی ہے۔ وہ ملک ان دونوں باتوں سے محروم ہے۔ پھر وہاں جمہوریت کس طرح ٹھہر سکتی ہے۔ جمہوریت کے اس جگہ قائم کرنے کے معنے ہی یہ ہونگے۔ کہ اس ملک کو اجانب کے رحم پر چھوڑ دیا جائے۔ اور یہ کسی صورت میں درست نہیں۔ یا تو وہاں شریف کا خاندان حاکم ہونا چاہیئے۔ جس کا ادب حجازیوں میں قدیم روایات کے ماتحت بہت حد تک پایا جاتا ہے یا پھر سلطان نجد کو اس ملک کا بادشاہ بننا چاہیئے۔ جو ایک طاقتور قوم کے بادشاہ ہیں۔ تا اپنے قوت بازو سے اس ملک کا انتظام درست رکھیں۔

میرے نزدیک حنفیوں نے جو پچھلے دنوں سلطان کے قبضہ کے خلاف شور مچایا تھا۔ اس کا بہت فائدہ ہوا ہے۔ اور اس سے متاثر ہو کر سلطان نجد کو خاص انتظام کرنا پڑا۔ کہ مدینہ منورہ میں کوئی خلاف ادب بات نہ ہو۔ پس حنفیوں کو خوش ہونا چاہیئے۔ کہ ان کی کوششیں مقامات مقدسہ کی حفاظت میں ممد ثابت ہوئیں اور اب جبکہ سلطان نجد انصاف سے اور بغیر مذہبی دست اندازی کے حکومت کرنے پر تیار ہیں۔ تو انکی حکومت کو خوشی سے قبول کر لینا چاہیئے کیونکہ عرب کا امن سب سے مقدم ہے۔ اور موجودہ حالات میں امن سلطان ابن سعود سے ہی وابستہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جو دوسرے لوگ اس ملک میں امن قائم کر سکتے تھے۔ وہ سر دست اس ملک کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ پس جب تک سلطان کی طرف سے کوئی مذہبی دست اندازی کا کام سرزد نہ ہو۔ اس وقت تک ان کے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس میں فائدہ نہ ہوگا۔ الٹا نقصان ہوگا۔ کیونکہ وہابیوں اور حنفیوں میں فساد ہوگا۔ اور مقامات مقدسہ میں امن بالکل نہ رہے گا۔ جو امر کہ اسلام کے لئے سخت مضر ہے۔ والسلام

خاکسار:۔ مرزا محمود احمد

مولوی عبد الباری صاحب کی تعزیت

جناب مفتی محمد صادق صاحب ناظر امور خارجیہ نے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے مولوی عبد الباری صاحب کی وفات پر تعزیت کا تار اور خط ان کے برادر زادہ اور جانشین مولوی قطب میاں صاحب کو بھیجا ؛

نظارت امور عامہ کے اعلان

(۱) ضلع ڈیرہ غازیخاں میں ایک معزز زمیندار کو ایک ایسے ٹیچر کی ضرورت ہے۔ جو پرائیویٹ طور پر چار لڑکوں کو جو مڈل ہائی کلاس کے ہیں تعلیم دے سکے۔ تنخواہ پچاس روپیہ اور مکان مفت ہوگا۔ ٹیچر اگر گریجوایٹ نہ ہو۔ تو انڈر گریجوایٹ بھی۔ یا قابل میٹرک پاس۔ جس کو تعلیم دینے کے قابلیت ہو۔ اور تجربہ ہو۔ خواہشمند بہت جلد اپنی درخواست بہ نقول سارٹیفکٹ امیر جماعت مقامی یا دفتر امور عامہ میں بھجوا دیں ؛

۲۔ اگر کوئی احمدی بھائی جو دھنیئے کا کام جانتا ہو۔ اور افریقہ میں جانے کا خواہشمند ہو۔ تو دفتر امور عامہ میں فوراً اطلاع دیں۔ وہاں پر دھنیے کا کام بہت اچھی طرح چل سکتا ہے۔ اگر کوئی کرایہ وغیرہ کا انتظام نہ کر سکتا ہو۔ تو انجمن احمدیہ افریقہ اس شخص کے لئے کرایہ کا بھی انتظام کر سکتی ہے۔ جو بعد میں ادا کر دینا ہوگا۔ لیکن آدمی محنتی ہوشیار کاریگر ہو۔ جو شخص جانا چاہیئے اپنی درخواست۔ سکرٹری امور عامہ یا امیر جماعت مقامی کی تصدیق کے ساتھ بھیجدیں۔ اور اقرار نامہ لکھدیں۔ کہ جو کرایہ لیں گے۔ وہ جماعت افریقہ کو اس قدر مدت میں واپس کر دینگے ؛

۳۔ ناگپور میں ایک احمدی مستری بھٹہ جلانے والے کی ضرورت ہے۔ آدمی محنتی ہوشیار۔ تجربہ کار۔ اینٹ لگانے والا ہو۔ تنخواہ حسب قابلیت پچاس سے ساٹھ روپیہ ماہوار تک علاوہ مکان ہوگی۔ جانے کا کرایہ ریل بھی ملے گا۔ بھٹہ میں کوئلہ کی جلائی ہوگی۔ جون تک کام کرنا ہوگا۔ جون سے لے کر اکتوبر تک بارش رہتی ہے۔ جس سے کام بند ہو جاتا ہے۔ جو صاحب ملازمت کرنا چاہیں۔ بہت جلد پتہ ذیل پر براہ راست خط و کتابت کریں۔ اور ایک اطلاعی خط امور عامہ میں بھیجدیں ؛

Mohd Said Manager Brick
and Tiles Co. Sadar Bazar
Nag pur. C.P.

جماعت کے امیر یا سکرٹری امور عامہ کی تصدیق نیک چلنی اور خوش معاملگی جب تک ساتھ نہ ہوگی۔ درخواست منظور نہ ہوگی ؛

۴۔ ایک صاحب جو نہایت مخلص احمدی ہیں۔ اور پہلے نظارت دعوت تبلیغ میں مبلغ بھی رہ چکے ہیں جنکو علم دینی سے اچھی واقفیت ہے۔ قرآن و حدیث اور بعض دیگر عربی کتب پڑھا سکتے ہیں۔ بیکار ہیں۔ اگر کسی انجمن کو ایسے عالم کی ضرورت ہو۔ تو انہیں بلائیں۔ میاں بیوی ہیں۔ کھانا معہ روپیہ ماہوار یا خشک مبلغ عسہ روپیہ ماہوار پر گذارہ کر سکیں گے۔ لڑکے اور لڑکیوں کو بھی پڑھا سکتے ہیں ؛

اشتہار

ڈہائی ہزار دلائل و حوالجات کا مجموعہ صرف ۱۲ ار میں

کوڑیوں کے دام انمول موتی قریباً پانچسو صفحے کی کتاب چند آنوں میں

احباب کرام! مبارک ہو۔ کہ مولوی غلام احمد صاحب مجاہد بدوملہوی مولوی فاضل کی تصنیف شدہ کتاب احمدیہ نوٹ بک حصہ اوّل شائع ہوگئی ہے۔ جس میں ترپن (۵۳) مضامین پر نہایت سیر کن بحث کی گئی ہے۔ ہر ایک دلیل پر جو اعتراضات پیدا ہوتے تھے۔ ان کے کئی کئی جواب دیئے گئے ہیں۔ ایسی جامع و مفصل کتاب آج تک جیبی سائز پر کوئی شائع نہیں ہوئی۔ یہ احمدیہ نوٹ بک آپ کو بیسیوں کتابوں سے مستغنی کر دے گی۔ لطف یہ ہے۔ کہ مضامین و دلائل و حوالجات کی کثرت کے علاوہ کاغذ نہایت اعلےٰ ہے۔ اور کتابت بھی بہت عمدہ ہے۔ کہ بوڑھے اور کم علم بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ بڑی خصوصیت یہ ہے۔ کہ قیمت بہت ہی کم رکھی گئی ہے۔ آپ فہرست مضامین ملاحظہ فرمائیں۔ کئی مضامین ایسے ہونگے جن کے متعلق پہلے کبھی آپ نے تفصیل نہ پڑھی ہوگی۔ بس اس مبارک موقعہ سے فائدہ اٹھائیے۔ تمام دلائل ایسے ہیں۔ جن کو بار بار مخالفوں کے سامنے پیش کیا جا چکا ہے۔ لائق مصنف نے دریا کو کوزہ میں بھر دیا ہے۔ زیادہ تعریف فضول ہے۔ ؎

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

فہرست مضامین احمدیہ نوٹ بک ملاحظہ ہو

۱۔ دلائل ہستی باری تعالےٰ
۲۔ دہریوں کے اعتراضات کے جوابات
۳۔ دلائل وجود ملائکہ
۴۔ ابطال الوہیت یسوع مسیح ناصری
۵۔ تردید دلائل الوہیت یسوع مسیح
۶۔ تردید دلائل الوہیت یسوع مسیح منطقی طور پر
۷۔ چند منطقی اعتراضات
۸۔ تردید کفارہ عقلاً۔
۹۔ تردید کفارہ نقلاً۔
۱۰۔ [illegible] مسیح [illegible]
۱۱۔ اختلافات بائیبل
۱۲۔ نبی کریم صلعم و مسیح موعود و خلیفہ ثانی کے متعلق بائیبل سے پیشگوئیاں
۱۳۔ معیار صادقین از روئے بائیبل۔
۱۴۔ تردید وید۔
۱۵۔ ویدک تعلیم کے چند نمونے (میاں بیوی کا خطبہ۔ انزال و جماع کی کیفیت۔ دشمنوں کے متعلق احکام۔ ایشوری صفات۔ اقسام نیوگ شرائط نیوگ۔ زنا و نیوگ کی متحد صورتیں۔ ویدک دعائیں۔ خلاف عقل و نقل باتیں)
۱۶۔ تردید تناسخ عقلاً۔
۱۷۔ تردید تناسخ نقلاً۔
۱۸۔ تردید دلائل قدامت روح و مادہ
۱۹۔ قدامت روح و مادہ سے مخطورات
۲۰۔ دلائل حدوث روح و مادہ
۲۱۔ دلائل حدوث روح و مادہ آرین کتب سے
۲۲۔ سوامی دیانند کی زندگی
۲۳۔ اسلام بابا نانک صاحب ۱
۲۴۔ اسلام بابا نانک صاحب ۲
۲۵۔ قرآن الہامی کتاب ہے
۲۶۔ وفات مسیح ناصریؑ از قرآن کریم
۲۷۔ لفظ صلیب کی تشریح
۲۸۔ القاء شبہ پر عقلی و نقلی اعتراضات
۲۹۔ وفات مسیح ناصریؑ از حدیث
۳۰۔ وفات مسیح ناصریؑ از اقوال آئمہ
۳۱۔ تردید دلائل حیات مسیح ناصریؑ
۳۲۔ عدم رجوع موتےٰ
۳۳۔ مسیح زندہ ہوں تو بھی اس امت میں نہیں آسکتے
۳۴۔ ختم نبوت کی حقیقت
۳۵۔ اثبات نبوت از قرآن کریم
۳۶۔ اثبات نبوت از احادیث
۳۷۔ اثبات نبوت از اقوال آئمہ سلف
۳۸۔ صداقت مسیح موعود از قرآن کریم
۳۹۔ صداقت مسیح موعود از حدیث
۴۰۔ ثبوت نبوت مسیح موعود از تحریرات خود
۴۱۔ اصول پیشگوئیاں
۴۲۔ دلائل بر خلافت و ایمان حضرات ثلٰثہ (مشترکہ)
۴۳۔ دلائل خلافت و ایمان حضرت ابی بکر رضہ
۴۴۔ دلائل خلافت و ایمان حضرت عمر رضہ
۴۵۔ دلائل خلافت و ایمان حضرت عثمان رضہ
۴۶۔ حضرت علی رضہ خلافت پسند نہ کرتے تھے
۴۷۔ مہدیؑ کے متعلق بعض باتیں
۴۸۔ یاجوج ماجوج کے متعلق بعض نوٹ
۴۹۔ تردید فرقہ چکڑالویہ
۵۰۔ چکڑالویوں کے عقائد
۵۱۔ الوہیت بہاء اللہ کا ثبوت انکی کتب سے
۵۲۔ بابیوں کے بعض مکروہ احکام
۵۳۔ بہاء اللہ تمام نبیوں سے افضل ہے

اس فہرست میں بیس مضامین آپ کو ایسے ملیں گے (جن پر نشان کیا گیا ہے) جو صرف اسی احمدیہ نوٹ بک میں ہیں۔ اور کسی میں نہیں۔ بس جلدی کیجئے۔ اور موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیجئے۔ کاتب و پریس والوں کو زیادہ اجرت دینے کے باوجود بھی یہ کتاب مکمل ہو کر جلسہ کے آخری دن قادیان پہنچی تھی۔ احباب کرام کو کما حقہٗ اطلاع نہ ہو سکی۔ پھر بھی خدا کے فضل و کرم سے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے اس زرّیں موقعہ سے جلدی فائدہ اٹھائیے۔ مجلد کی قیمت ایک روپیہ (عہ) غیر مجلد کی قیمت ۱۲ ار۔ یہ کتاب صرف ہم سے ہی مل سکتی ہے۔ نیز دیگر کتب بارعایت اعلیٰ و سستی جلدوں والی بھی ملنے کا پتہ یہ ہے۔

محمد اسماعیل محمد عبد اللہ تاجران کتب و جلد سازان
مالکان احمدیہ دار الکتب قادیان (پنجاب)

خوشخبری!

قادیان میں سب سے پہلی حمائل شریف بطرز سیپارا القرآن نہایت خوشخط۔ خوبصورت۔ اعلےٰ زرد اور سفید کاغذ پر چھپ گئی ہے۔ سائز خوبصورت۔ خوشنما۔ حجم پون انچ بلا جلد کاغذ زرد قیمت عہ + حجم پون انچ بلا جلد کاغذ سفید قیمت عہ + کپڑے کی جلد سنہری نام (قرآن مجید) کاغذ زرد قیمت ۱۲ + کپڑے کی جلد سنہری نام (قرآن مجید) کاغذ سفید قیمت ۱۴ + چمڑے کی جلد بند کرنے کے واسطے پیتل کا قبضہ لگا ہوا کاغذ زرد قیمت ۱۲ + ولایتی چمڑے کی جلد سنہری کام + سنہری نام۔ کاغذ زرد قیمت للعہ۔ ولایتی چمڑے کی جلد سنہری کام۔ سنہری نام۔ کاغذ سفید قیمت للعہ اگر کوئی شخص اپنا یا کسی کا نام لکھوانا چاہے۔ تو ۸ ر میں لکھا جا سکتا ہے۔ (حروف انگریزی اور سنہری ہونگے)

محمد اسماعیل و محمد عبد اللہ۔ قادیان۔ پنجاب
مالکان دار الکتب قادیان

خط و کتابت کے لئے مختصر پتہ

مالکان دار الکتب قادیان۔ پنجاب

(منشی عبد الرحمٰن صاحب کپورتھلوی قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپا کر اعلان کے لئے قادیان سے شائع کیا)